

# ذکر خیر

مع

سیدہ خیر النساء صاحبہ بہتر مرحومہ (بنت حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ)  
کے حالات زندگی، ان کی تعلیمی و تربیتی خصوصیات، ذکر و عبادت، دعا و مناجات  
کے شوق و انہماک کے واقعات، جو عورتوں، مردوں، بچیوں اور بچیوں کے لئے  
یکساں مفید اور سبق آموز ہیں۔

ہر تبا

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ناشر، فضل رتی ندوی فون: 611817  
مجلس نشریات اسلام ناظم آباد مینشن  
کراچی ۱/۲/۳-۴ ناظم آباد عد

# DATA ENTERED

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں

بجیٰ فضل ربی ندوی

محفوظ ہیں

۲۹۷۶۹۹۲۱

ب ۱۸۶۱

۲۱۷۵۸

بار سوم - ۱۳۹۷ھ - ۱۹۷۷ء

ذکرِ خیر	_____	نام کتاب
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	_____	مصنف
ظہیر احمد کاکوروی	_____	کتابت
تنزیہ پروسیس کراچی	_____	طباعت
۱۶۰	_____	صفحات
بارہ سو	_____	تعداد
آٹھ روپے	_____	قیمت

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱/کے۔ ۳۰۔ ناظم آباد مینشن ناظم آباد نزد برف خانہ

کراچی ۱۸

# فہرست مضامین

- پیش لفظ \_\_\_\_\_ مولانا ابوالحسن علی ندوی ۷
- حالات و واقعات زندگی " " \_\_\_\_\_ ۱۱
- حضرت شاہ ضیاء الدینی \_\_\_\_\_ ۱۳
- خاندان کی بیدیاں \_\_\_\_\_ ۱۶
- میری والدہ ماجدہ خیر النساء صاحبہ \_\_\_\_\_ ۱۸
- تعلیم و مطالعہ \_\_\_\_\_ ۲۰
- حفظ قرآن \_\_\_\_\_ ۲۲
- رمضان کا معمول \_\_\_\_\_ ۲۳
- بے کلی و بے چینی اور دعا و مناجات کا ذوق \_\_\_\_\_ ۲۴
- شادی \_\_\_\_\_ ۳۱
- خیر و برکت کا نزول \_\_\_\_\_ ۳۶
- صبر و شکر کی زندگی اور معمولات کی پابندی \_\_\_\_\_ ۴۰
- صدرہ جانگاہ اور تسلیم و رضا کی زندگی \_\_\_\_\_ ۴۲
- وظیفہ زندگی \_\_\_\_\_ ۴۵
- تصنیفی مشغلہ \_\_\_\_\_ ۴۶
- والدہ صاحبہ کا میرے ساتھ معاملہ اور تعلیم و تربیت کا انداز \_\_\_\_\_ ۴۶
- چند تربیتی خطوط \_\_\_\_\_ ۵۱
- میرے طویل سفر اور والدہ کا ایثار اور دین کی خاطر قربانی و مجاہدہ \_\_\_\_\_ ۵۸
- دعوت و تبلیغ کا ذوق \_\_\_\_\_ ۶۰

- حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا ایک مکتوب \_\_\_\_\_ ۶۱
- حضرت مولانا محمد الیاس سے بیعت و ارادت اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے تجدید بیعت \_\_\_\_\_ ۶۲
- سفر حج و زیارت \_\_\_\_\_ ۶۳
- واپسی \_\_\_\_\_ ۶۴
- لکھنؤ اور رائے بریلی کا قیام \_\_\_\_\_ ۶۵
- سحر خیزی اور ادراد و وظائف کی کثرت \_\_\_\_\_ ۶۶
- کبر سنی اور معذوری میں ان کی خدمت و تیمارداری \_\_\_\_\_ ۶۸
- اسلام کے غلبہ اور دین کے فروغ کی آرزو \_\_\_\_\_ ۶۹
- سنت کی پیروی اور دنیا سے پیزاری \_\_\_\_\_ ۷۱
- محبوب ترین مشغلہ \_\_\_\_\_ ۷۲
- میرا سفر بھوپال اور والدہ کا ایثار \_\_\_\_\_ ۷۳
- مرض الموت اور ایک مبارک خواب \_\_\_\_\_ ۷۴
- سفر آخرت \_\_\_\_\_ ۷۵

- زندگی کے آخری ایام \_\_\_\_\_ ۷۶
- از مولوی محمد ثانی حسنی \_\_\_\_\_ ۷۷
- عادات و معمولات \_\_\_\_\_ ۹۵
- از محمد امین اللہ تنسیم صاحبہ \_\_\_\_\_ ۹۵
- اماں بی دعا و مناجات اور اقوال کے آئینہ میں از مولوی محمد اکسنا۔ میرا البعث الاسلامی ۱۰۵ \_\_\_\_\_ ۱۲۳
- میرا پاپاشقیقت \_\_\_\_\_ ۱۲۳
- مولانا سید ابوبکر حسنی \_\_\_\_\_ ۱۳۳
- چند تعزیت نامے \_\_\_\_\_ ۱۳۳
- سفر آخرت (نظم) \_\_\_\_\_ ۱۵۳
- از صوفی سید عبدالرب صاحب صوفی \_\_\_\_\_ ۱۵۳

فَأَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي

لَا أَضِيعُ عَمَلَكُمْ مِنْكُمْ مِنْ

ذِكْرٍ وَأُنثَىٰ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ





## پیش لفظ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى!  
والده صاحبہم جو مہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ نے ۶ جہادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ  
اسراگست ۱۹۶۸ء کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی، ان کی ہستی نہ صرف ان کے محدود  
خاندان، بلکہ اس نسل کی مسلمان بچیوں اور بیٹیوں کے لئے ایک قابل تقلید مثال، اور  
عہد ماضی کی (جو بڑی خیر و برکت کا دور تھا) پاک نہاد اور نیک سیرت، خداترس، اور خدا پرست  
مسلمان خواتین، اور صاحبہ قانتہ بیٹیوں کی سچی یادگار تھیں، ان کا پختہ ایمان و یقین، خدا کی  
محبت، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کا شوق، اپنے اور اپنی اولاد کے بارے میں دین کو دنیا پر  
کھلی ترجیح، دنیا کی دولت و عزت، اور زیب و زینت سے اعراض زہد و قناعت،  
دعا و مناجات کا عشق، دعا کے اثر و قبولیت، اور کلام الہی، اور ازکار نبوی کے خواص و  
اثرات پر یقین، اور انہیں چیزوں کو مقاصد کے حصول، اور دین و دنیا کی سعادت و کامیابی کا

ذریعہ، اور ہر قفل کی کلید سمجھنا، دعا کا سوز و گداز اور نمازوں کا راز و نیاز، دین اور اہل دین کی عزت و وقعت کا ریشہ ریشہ میں سما جانا، اور مزاج بن جانا، زمانہ سلف اور تاریخ اسلام کی ان بلند مرتبہ خواتین کی یاد تازہ کرتا تھا، جن کے واقعات، تذکرے، اور سوانح کی کتابوں میں لکھے اور پڑھے جاتے ہیں، ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ جب شرور و فتن کے اس دور، اور مادیت و عقلمندی کے اس زمانہ میں قوت ایمانی اور دینداری کے ایسے نمونے پائے جاسکتے ہیں، تو قرون اولیٰ اور اسلام کے مرکزوں میں ان مسلمان خواتین کا کیا حال ہوگا، جنہوں نے تعلیم و تربیت کے بہترین ماحول میں پرورش پائی تھی، ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ان صالحات، قانتات، اور عالم و کاغذ بیبیوں کے متعلق جو کچھ مستند کتابوں میں حالات آئے ہیں، اس میں ذرا کبھی مجالعہ، اور افسانہ طرازی نہیں۔

والدہ صاحبہ کے انتقال کے دو مہینے بعد ہی ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ کا (بابت نومبر و دسمبر ۱۹۶۸ء مطابق شعبان و رمضان ۱۳۸۸ھ) خاص شمارہ شائع ہوا، جو ان کے حالات و واقعات زندگی، اور ان کے کلام و تصنیفات کے تذکرے اور تبصرے پر مشتمل تھا، مسلمان خواتین کا یہ رسالہ انھیں کے خاندان کے افراد کی ادارت میں نکلتا ہے، اس کے مدیران کے حقیقی نواسہ مولوی سید محمد ثانی حسنی سلمہ، اور معاون مدیر مرحومہ کی صاحبزادی میری ہمیشہ امہ اللہ تسنیم صاحبہ ہیں، یہ شمارہ بڑے سائز کے ۹۶ صفحات پر مشتمل تھا، اس کی تحریر و ترتیب میں انھیں کی اولاد، اور ان کے خاندان کے افراد نے جھد یا تھا، جو ان کے ہمالات و کمالات، مشاغل و معمولات سے سب سے زیادہ واقف، اور ان کے



چشم دید گواہ تھے، رضوان" کا یہ نمبر بہت مقبول ہوا، اور تھوڑی ہی مدت میں نایاب ہو گیا، بہت سے لوگوں نے اس کو ایک کتاب کی طرح محفوظ کر لیا، اور بہت سے شائقین اس کی فرمائش اب بھی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو مہیا نہیں کیا جاسکتا، شائقین اور قردانوں کے اس شوق و تلاش کو دیکھ کر، اور خود بھی اس کی افادیت اور اثر کا تجربہ کر کے یہ خیال ہوا کہ اس کو مستقل کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو، اور وہ ایک کتاب کی طرح گھروں اور کتب خانوں میں محفوظ ہو جائے، اب جبکہ مرحومہ کے منتخب دعائیہ کلام کا مجموعہ (جو ان کی زندگی میں اولاً "باب رحمت" اور بعد میں "کلید باب رحمت" کے نام سے دو حصوں میں شائع اور مقبول ہو چکا تھا) شائقین کے شوق و تقاضے سے "کلید باب رحمت" کے نام سے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے، یہ شمارہ بھی نظر ثانی اور انتخاب اور حذف و اضافہ کے ساتھ "ذکر خیر" کے نام سے شائع کیا جاتا ہے، اس میں سب مضامین ان سے قریبی تعلق رکھنے والے، اور رات دن کے دیکھنے والے افراد خاندان کے قلم سے ہیں، اور یہ سب "رضوان" کے خصوصی شمارہ میں شائع ہو چکے ہیں۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ مضامین جو "ذکر خیر" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے، قدر کے ہاتھوں سے لیا جائے گا، اور شوق کی نگاہوں سے پڑھا جائے گا، اور اس سے اپنے اندر اچھے اثرات اور کیفیات پیدا کرنے، اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کے کام میں مدد ملی جائے گی، کتاب کے پڑھنے والوں، اور پڑھنے والیوں سے امید ہے کہ مرحومہ کے لئے مغفرت، اور رفع درجات کی دعا کی جائے گی، اور ان کی اولاد، اور افراد خاندان

۱۰

کو بھی اس دعا پر شریک کیا جائے گا۔

واللہ ولی التوفیق

ابوالحسن علی ندوی

۲ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ

۲ مارچ ۱۹۷۲ء

# حالات و واقعات زندگی

مولانا ابوالحسن علی Nadwi



# حالات و واقعات زندگی

## حضرت شاہ ضیاء البنیؒ

میرے نانا حضرت سید شاہ ضیاء البنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ  
... کی ساتویں پشت میں ہیں، جو اپنے زمانہ کے اولیائے کاملین میں تھے، اور نہایت  
تبع سنت اور عامی شریعت بزرگ تھے۔

۱۔ حضرت شاہ علم اللہ صاحب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت سید  
آدم بنوری کے ممتاز خلفاء میں تھے، آپ نے ۱۰۹۶ھ میں رحلت فرمائی انھیں کے نام سے رائے بریلی شہر کے  
باہر لب دریا ایک نئی بستی "دائرہ شاہ علم اللہ" کے نام سے مشہور ہوئی آپ کی پانچویں پشت میں  
ہندستان کے مشہور مجاہد اور مصلح حضرت سید احمد شہید ہوئے ہیں، شاہ صاحب کا تذکرہ مولانا  
غلام رسول تھر کی کتاب "سید احمد شہید" اور راقم کی کتاب "سیرت سید احمد شہید" میں دیکھا جاسکتا ہے

حضرت شاہ ضیاء النبوی صاحب بڑے پایہ کے بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو  
 دینی و دنیوی دولتیں عطا فرمائی تھیں، حضرت سید احمد شہید کے سلسلے میں آپ کو اجازت  
 و خلافت حاصل تھی، مریدوں میں بڑے بڑے عالم اور بزرگ شامل تھے، ان کو جو دیکھتا  
 اس کو یہ محسوس ہوتا کہ اللہ نے ان کو صرف اپنی یاد اور آخرت کی تیاری ہی کے لئے پیدا کیا  
 ہے، ان کی نماز خاندان اور قرب و جوار میں ضرب المثل تھی، نماز کی نیت باندھ کر ان کو  
 دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی تھی، آخر عمر میں رعشہ ہو گیا تھا، چلنے تھے تو ہر قدم پر یہ خیال  
 ہوتا تھا کہ اب گرے، اتب گرے لیکن جہاں صفت میں کھڑے ہوئے اور امام نے تکبیر کہی تو  
 پھر معلوم ہوتا تھا کہ ایک ستون کھڑا ہوا ہے جس کو جنبش نہیں، کبھی کبھی شبینہ میں شرکت  
 کی اور پورا قرآن شریف کھڑے ہو کر سنا، اچھے اچھے نوجوانوں کو دیکھا گیا کہ کوئی ٹھک کر  
 بیٹھ گیا، کوئی سلام پھیر کر الگ ہو گیا، اور کوئی چکر اکر گر گیا، مگر وہ ہیں کہ جیسے کسی نے کوئی  
 لکڑی گاڑ دی ہے کہ اپنی جگہ کھڑی ہے، ایک نماز پڑھ کر بس دوسری نماز کے انتظار اور  
 شوق ہی میں رہتے، صحبت میں ایسی تاثیر تھی کہ جو شخص چند دن ان کے حلقہ میں بیٹھا اس کو بھی  
 نماز اور اتباع سنت سے شغف ہو گیا، اور وہ بھی ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے  
 انتظار و اشتیاق میں رہنے لگا، بڑے بڑے واقعات ہو جاتے، ان کے سکون، اللہ کے  
 ساتھ تعلق اور مشغولیت میں کچھ فرق نہ آتا، جوان اور صاحب اولاد بیٹی کے انتقال کی  
 خبر آئی، تلاوت کر رہے تھے، ایک بار "اناللہ" پڑھی پھر مشغول ہو گئے۔

ان کو اپنے والد سے بہت بڑی جائداد ترکہ میں ملی تھی، کئی مسلم گلوں تھے،

جن میں صرف وہ اور ان کے بڑے بھائی سید رشید الدین صاحب مرحوم شریک تھے، ابتدائی انگریزی عملداری کا زمانہ اور ارزانی اور ایشیا کی فراوانی کا دور، بہر طرح کی فراغت اور فراخی حاصل تھی لیکن ان کو عبادت الہی کے علاوہ صرف ایک ہی چیز کا شوق تھا، وہ دینی کتابوں کا، جہاں کہیں کسی دینی کتاب کا اشتہار دیکھا فوراً فرمائش روانہ کی اور پھر اس کے انتظار میں دن گننے لگے، یہ شون اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ کسی کتاب کا انتظار تھا اور کسی صاحبزادی یا عزیز قریب کی تدفین میں شریک تھے، اپنے چھوٹے صاحبزادے حافظ سید عبید اللہ صاحب سے کہا کہ "عبید! ابھی تک وہ کتاب نہیں آئی؟ لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس موقع پر بھی ان کا دل کتاب میں لگا ہوا ہے، اور یہاں بھی ان کو اسی کی فکر ہے، جائداد کے انتظام سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا، جب تک بڑے بھائی زندہ رہے وہ جزو دخل کے ذمہ دار اور مختار تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے اور نانا صاحب کے بڑے بھتیجے مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم منتظم اور ذمہ دار قرار پائے، نانا صاحب کو صرف کتابوں کی خریداری کے لئے رقم کی ضرورت رہتی تھی، یا اپنے چھوٹوں کو کچھ دینے لینے کے لئے باقی ان کا کوئی خرچ نہ تھا، باوجود اس کے کہ جائداد کی ہزاروں روپیہ کی آمدنی تھی، لیکن وہ صرف دس روپیہ ماہوار لیتے تھے۔ مریدوں کے معاملہ میں بھی یہاں حساب الٹا تھا بجائے اس کے کہ عام پیروں کی طرح وہ شہروں کا دورہ کریں اور مریدوں کے یہاں جائیں اور ان سے نذرانے

لے کوئی ہمشیرہ نہیں تھیں۔

وصول کریں، مریدین (جن میں امرار، غبار اور علماء و عوام ہر طبقے کے لوگ ہوتے تھے) ان کے یہاں ہفتوں، مہینوں مہمان رہتے، کبھی شاذ و نادر اگر کہیں جانا ہوتا تو جو پنپور جہاں ان کے ایک محبوب مرید مولوی مکی صاحب رہتے تھے، تشریف لے جاتے، والد مرحومہ فرماتی تھیں کہ "میاں" مولوی مکی صاحب کے آنے سے سب سے زیادہ خوش ہوتے تھے، ان کے آنے سے بڑی رونق اور چہل پھل پیدا ہو جاتی تھی، ان کو اور ان کے سارے خاندان کو نانا صاحب سے بڑا تعلق تھا، اور یہ تعلق آخر آئنگ قائم رہا۔

## خاندان کی بیبیاں

وہ زمانہ بھی بڑی خیر و برکت کا تھا، بزرگوں کے اثرات خاندان میں پورے طور پر موجود تھے، نانی صاحبہ (میری والدہ کی والدہ) بڑی راسخ العقیدہ خوش اوقات صاحبہ عابدہ، اور بہت فہیم وزیرک بی بی تھیں، چھوٹی عمر میں ان کی شادی ہو گئی تھی، نانا صاحب نے ان کو مزید تعلیم دی، دینی کتابوں کا مطالعہ ان کا اس زمانہ کے رواج و معیار کے لحاظ سے دوسروں سے زیادہ تھا، لوگ اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے،

۱۔ اصلی نام ابوالخیر تھا کہ مکرمہ میں ولادت ہونے کی وجہ سے مولوی مکی مشہور تھے، ان کے والد حضرت مولانا سخاوت علی صاحب جو پنپوری اپنے زمانہ کے جید عالم اور مشہور مدرس اور حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ خاص تھے، مولوی مکی صاحب کے نامور صاحبزادے مولانا ابوبکر محمد شیت فاروقی عرصہ تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ناظم دینیات رہے۔



ران کی رائے بہت وقیح سمجھی جاتی تھی، اس زمانہ میں خاندان میں دو بیبیاں اپنی تعلیم  
 نبی واقفیت اور عقل و شعور میں ممتاز سمجھی جاتی تھیں، ایک میری نانی صاحبہ دوسری  
 میرے دادا مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب کی والدہ فاطمہ بی بی جو مولانا محمد ظاہر صاحب  
 خلیفہ حضرت سید احمد شہید کی صاحبزادی تھیں اور رشتہ میں میری والدہ کی  
 جو بھی ہوتی تھیں، ان کے متعلق میرے دادا مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب "تذکرۃ الابرار"  
 میں لکھتے ہیں:

"میری والدہ ماجدہ اپنے والد بزرگوار کی تربیت یافتہ تھیں، ابتدائے  
 شعور سے وفات تک فرائض و سنن کے علاوہ اوابین، چاشت، اشراق  
 شش عید، عشرہ محرم، ذی الحجہ اور دیگر ایام کے روزے ان کا زندگی کے  
 معمولات میں داخل تھے، نیز تلاوت قرآن، فقہ و حدیث کی کتابوں کا مطالعہ  
 دلائل الخیرات، حزب الاما عظم، حزب البحر اور دوسری کتابوں کا دروپور سے اہتمام  
 سے تھا، اس کے علاوہ ترجمہ مشارق الانوار و مشکوٰۃ المصابیح، مفتاح الجنۃ  
 ضمان الفردوس، حکایات الصالحین، طب احسانی، طب نبوی، معراج ابواب  
 سفار، رسالہ خوان نعمت و سنس جو ابھر وغیرہ بھی برابر مطالعہ میں کھتی تھیں۔

امور خانہ داری حسن انتظام، کھانے پکانے کا سابقہ اور عورتوں اور  
 چھوٹے بچوں کے علاج و معالجہ میں بھی ان کو بہت ملکہ تھا، اعزہ کے ساتھ  
 حسن سلوک اور محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی و عنقراری، اصابت رائے

وجاہت و رعب اور اطمینان قلب میں اللہ نے ان کو بڑا حصہ عطا فرمایا تھا!

والدہ صاحبہ کے لئے جو کھلائی (انا) مقرر کی گئیں وہ خود بڑی خدا ترس، نیک سپہ

اور عبادت گزار عورت تھیں، نام تو معلوم نہیں کیا تھا، عرفیت جو آٹھی، والدہ صاحبہ ان کی

نیک دلی اور خدا ترسی و عبادت کے شوق کے بہت تذکرے کرتی تھیں، اس زمانہ میں مشرق

میں عام دستور تھا (اور ہمارے خاندان میں تو بہت رواج تھا) کہ دوسرے خاندانوں کی

ایسی سن رسیدہ اور بیوہ عورتیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہوتا یا جن کو

خدا کی یاد اور ذکر و عبادت کا خاص ذوق ہوتا وہ اپنا گھر چھوڑ کر ان کے گھروں میں سکونت

اختیار کر لیتیں، اور اپنی بقیہ زندگی شرافت و وضع داری کے ساتھ یاد الہی اور آخرت کی

تیساری میں گزار دیتیں، ہمارے خاندان کے تقریباً ہر گھر میں ایسی شریف بیبیاں اور

بوڑھیوں سا لہا سال سے مقیم ہیں، لیکن ہمارے نانا صاحب اور ان کے بھائی صاحب

کے گھر میں جو خاندان کا سب سے آسودہ حال اور صاحب حیثیت گھر تھا، ان نیک بندوں

کی آمد و رفت اور قیام زیادہ رہتا تھا، اور ان میں سے اکثر نانا صاحب یا دوسرے

خاندانی بزرگوں سے بیعت تھیں، یہ عقائد کی بڑی پختہ اور بہت خوش اوقات بہت

بابرکت بیبیاں تھیں، ان کی وجہ سے گھروں کے اندر اور بھی دین کا تذکرہ اور دینی

مشغولیت رہتی تھی، اور خاندان کی بچیوں پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔

**میری والدہ ماجدہ خیر النساء صاحبہ**

نانا صاحب کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں، میرے بڑے

ماموں صاحب کا نام سید احمد سعید تھا، چھوٹے مولوی حافظ سید علی الدین صاحب تھے، میری والدہ اپنی بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھیں، ان سے تین بہنیں بڑی اور ایک چھوٹی تھیں، جن کا انتقال نانا صاحب کی زندگی ہی میں زچگی ہی میں ہو گیا تھا، والدہ صاحبہ <sup>۱۲۹۵ھ</sup> ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئیں، نام خیر النساء رکھا گیا، والدہ صاحبہ نے کسی بار فرمایا، اور سب اس کی تصدیق کرتے ہیں، کہ نانا صاحب کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ انھیں سے محبت و مناسبت تھی، فرماتیں کہ جب کوئی اچھی کتاب آتی مجھے دیکھنے کو دیتے، اور مجھ سے تذکرہ کرتے کہ یہی ان کی سب سے بڑی خاطر اور محبت کی نشانی تھی، فرماتی تھیں کہ "میاں تہجد کے وقت جب کوٹھے سے اتر کر مسجد جاتے لگتے تو میری آنکھ کھل جاتی اور میں اور منجھلی بہن صاحبہ بی دو نوں بی بی (والدہ) کے پاس کوٹھے پر چلے جاتے اور وہیں ان کے ساتھ نقلیں پڑھتے رہتے اور مشغول رہتے، ہماری دوسری بہنوں اور ہم بولیوں کو اس پر بڑا رشک آتا اور وہ بھی اس کی کوشش کرتیں، مگر اکثر آنکھ نہ کھلتی۔"

والدہ صاحبہ کو کاڑھنے، بیل بوٹے بنانے (کشیدہ کاری) اور سلائی کے کام سے بھی فطری مناسبت تھی، اور وہ اس میں استادانہ مہارت رکھتی تھیں، ان کا داغ شروع سے جہتیں پیدا کرنے اور نئی تراش تراش نکالنے اور نئے نئے تجربے کرنے کا مادی تھا، وہ ان تمام کاموں میں خاندان میں موجود اور ایک طرح کی مجتہد سمجھی جاتی تھیں، نانا صاحب کے مزاج میں بھی (بزرگی اور سادگی کے ساتھ) لطافت اور خوش مذاقی تھی، خوش وضع اور موزوں چیز ان کو پسند آتی تھی، اس لئے اکثر والدہ صاحبہ سے اس قسم کا

کام لیتے، نانا صاحب کی ایک عبا جو وہ عید کے موقعہ پر زیب تن فرماتے تھے، ابھی تک ہمارے پاس موجود ہے، جس پر والدہ صاحبہ کے ہاتھ کارشمنی کام ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا استاد ابھی کام ختم کر کے اٹھا ہے۔

## تعلیم و مطالعہ

خاندان میں لڑکیوں کی تعلیم کا بہت مخصوص اور محدود پیمانہ پر رواج تھا۔ لڑکیوں کی زیادہ تعلیم اور نوشت و خواند کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، تعلیم مذہبی کتابوں، مسئلہ مسائل کی واقفیت اور انتظام خانہ داری تک محدود تھی، علمائے حق کی کتابیں جو اس خاندان کے مسلک اور عقیدہ سے مطابقت رکھتی تھیں، وہ ایک طرح سے نصاب میں داخل تھیں، میں نے جن کتابوں کا نام والدہ صاحبہ سے زیادہ سنا ہے، ان میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی کتاب "الابد منہ" (عقائد و مسائل میں) راہ تجا حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کی کتاب "آثار قیامت پر پہل حدیث" شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ قرآن کے بارے میں مجھے یاد ہے۔

ابتدائی فارسی بھی پڑھائی جاتی تھی، لیکن لکھنے کی مشق کی زیادہ ہمت افزائی نہیں کی جاتی تھی، بلکہ ایک درجہ میں اس کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، اور بعض بزرگ اس بارے میں بہت سخت تھے، اور کہتے تھے کہ لڑکیاں لکھنا سیکھ جائیں گی تو غیروں کو خط لکھیں گی، لیکن والدہ صاحبہ کو لکھنے کا اور لکھنے کی مشق کرنے کا غیر معمولی شوق تھا انھوں نے

اپنے بڑے چچا زاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب سے جو پورے خاندان کے ایک اتالیق کی حیثیت رکھتے تھے، اس کی اجازت چاہی انھوں نے ان کے تقاضے اور ان کے دینی حالات کو دیکھ کر اس کی بقدر ضرورت اجازت دی اور والدہ صاحبہ نے اپنے ماحول کے رواج اور اپنے خاندان کے معیار کے برخلاف اچھا خاصہ لکھنا سیکھ لیا، اور اس چیز نے ان کو اپنی تصنیف و تالیف کے کام میں بڑی مدد دی۔

جو کتابیں اس زمانہ میں زیادہ ان کے مطالعہ میں رہیں اور جن کا ان کی زندگی میں اور ذہن پر گہرا اثر پڑا، ان میں قصص الانبیاء، مقاصد الصالحین، آثار الصالحین، طوسی الفریخ الی منازل البرائیخ طریق النجاة کا نام میں نے بار بار سنا ہے، کچھ عرصہ کے بعد تین کتابیں اور ان کے مطالعہ میں آئیں جن کا انھوں نے بہت اثر قبول کیا، ایک نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کی کتاب الدار والدوار جس سے ان کو مختلف آیات قرآنی کے خواص اور اعمال قرآنی کا علم ہوا، اور انھوں نے ان میں سے بہت سی چیزوں کو اپنا معمول بنا لیا، دوسری کتاب بحیرات دیریا اس سے کبھی انھوں نے بہت فائدہ اٹھایا، اور کام لیا، تیسرے تعبیر الروایا جس میں وہ تعبیریں منقول ہیں جو حضرت محمد بن سیرین نے لوگوں کے خوابوں پر دیں اور اس کے اصول بیان کئے ہیں، والدہ صاحبہ کو اس کتاب کے مطالعہ اپنے تجربے اور خدا داد ملکہ کی بنا پر خوابوں کی تعبیر دینے سے بڑی مناسبت ہو گئی تھی، خاندان کے اکثر لوگ ان سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے اور ان کی اکثر تعبیریں صحیح نکلتیں۔

اسی زمانے میں ایک نعمت عظمیٰ کی طرح ان کو ہاتھ مرحوم کی ایک مناجات منظوم

جس کا نام نعمت عظمیٰ ہے، اہل گئی، اس کا ہر شعر اسمائے حسنیٰ میں سے کسی ایک اسم سے شروع ہوتا ہے، اور اس اسم کی مناسبت سے اسی مضمون کی دعا اور مناجات ہوتی، معلوم نہیں یہ ہاتھ کون تھے، اور ان کا پورا نام کیا تھا، لیکن ہمارے خاندان کے لئے یہ ہاتھ علیٰ ثابث ہوئے، ان کی یہ مقبول مناجات جس کے لفظ لفظ سے خلوص اور دعا کا سچا جذبہ ظاہر ہوتا ہے، خاندان کی عورتوں اور بچیوں اور بہت سے مردوں کا ورد اور وظیفہ بن گیا، اکثر لوگوں کو یہ زبانی یاد تھی، خاص طور پر جب کوئی فکر یا پریشانی کی بات ہوتی یا کوئی غم یا حزن و ملال کا واقعہ پیش آتا تو یہ انفرادی یا اجتماعی طریقہ پر بڑے درد کے ساتھ پڑھی جاتی اور اس سے بڑی تسکین اور تقویت ہوتی۔

## حفظ قرآن

مردوں میں تو حفظ کا رواج ہمارے خاندان میں شروع سے رہا ہے، اور ہر دور میں بڑے بڑے جید حافظ ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں مجھے معلوم نہیں کہ اس دور سے پہلے کوئی حافظ تھا، معلوم نہیں کیا خاص محرک پیش آیا کہ اس طبقہ میں قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سب سے پہلے والدہ ہی کو شوق پیدا ہوا یا ان کی کسی اور بہن یا عزیزہ کو، لیکن ایک وقت میں میری والدہ ان کی منجھلی بہن صاحبہ بی، ان کی

لہ ماہنامہ رضوان دسمبر ۱۹۵۶ء کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے جس کے معلومات والد صاحب سے اخذ کئے ہوئے ہیں کہ حفظ قرآن کا خیال سب سے پہلے انھیں کو پیدا ہوا، اور انھیں نے اس مبارک سلسلہ کا آغاز کیا۔

21758

بھانجی اور دو اور عزیز بہنوں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، ان میں سے ہر ایک نے اپنے کسی ایسے عزیز سے حفظ کرنا شروع کیا جو ان کے حقیقی بھائی یا محرم تھے، چھوٹے ماموں سید عبید اللہ صاحب خود جید حافظ تھے، بہت صحیح اور عمدہ قرآن مجید پڑھتے تھے، والدہ صاحبہ نے انھیں سے حفظ کرنا شروع کیا، ان دونوں بھائی بہنوں میں بڑی محبت تھی، میں نے کم بھائی بہنوں کو ایسا ایک دوسرے کا جاں نثار پایا، جیسا یہ دونوں بھائی بہن تھے۔ غالباً چار پانچ سال ہی چھٹائی بڑائی تھی، تین سال میں انھوں نے حفظ مکمل کر لیا، آگے پیچھے یہ سب بہنیں حافظ ہو گئیں، ان کے حقیقی بڑے چچا زاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب اس سلسلے کی بڑی ہمت افزائی اور سرپرستی فرماتے تھے، والدہ کہتی تھیں کہ بھائی جی مرحوم ہر سہ ماہی ہم لوگوں کی دعوت کرتے تھے، اور جب حفظ مکمل ہوا تو انھوں نے ایک بڑی دعوت کی۔

## رمضان کا معمول

کیا مبارک زمانہ تھا جب یہ سب تراویح میں ایک ایک پارہ پڑھتی تھیں، بعض علما کے فتوے کے مطابق ان کی اپنی جماعت ہوتی تھی، جن میں عورت ہی امام اور عورتیں ہی مقتدی ہوتی تھیں، عشرہ کے بعد سے سحری کے قریب تک یہ سلسلہ جاری رہتا، یہ قرآن شریف بہت اچھا پڑھتی تھیں، بخاری نہایت صحیح تھے، اگر گستاخ نہ ہو تو یہ کہوں کہ آج کل کے بہت سے فضلاء مدارس سے زیادہ صحیح اور اچھا پڑھتی تھیں،

اندرونی جذبہ اور فطری ترنم اس پر مستزاد، مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ چھپ کر دیر تک والدہ صاحبہ کا قرآن کھڑا سنتا رہا، وہ تراویح پڑھا رہی تھیں، یہاں معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بارش ہو رہی ہے، وہ لطف آج تک نہیں بھولتا، شادی ہو جانے کے بعد انھوں نے والد صاحب کو قرآن مجید سنایا، اور اس میں مزید جلا پیدا ہوئی، آخر عمر تک جب تک ان کا حافظہ کام دیتا تھا، وہ اپنے بھتیجہ حافظ سید حبیب الرحمن صاحب سے ہمیشہ دور کرتی رہیں، آخر دن تک جب تک انھوں نے اپنے معمولات ادا کئے وہ مختلف سورتیں مختلف رکوع اور آیات نہایت صحیح طریقہ پر اور ایک جگہ تک تجوید اور صحت مخارج کے ساتھ برابر پڑھتی رہیں۔

## بے کلی و بے چینی اور عا و مناجات کا ذوق

اب وہ دور آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمت خاص سے نوازا جائے، اور ان کو دعا و مناجات کی وہ دولت اور نسبت عطا فرماتا ہے، جو ان کی قبولیت ترقی کا اصل ذریعہ اور ہزاروں سعادتوں اور نعمتوں کا ذریعہ اور سرچشمہ بنا اور جس کی مثال میں نے اس دور آخر میں صرف خاصانِ خدا اور اکابر و مشائخ میں دیکھی۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب خدا کا کسی پر فضل خاص ہونے والا ہوتا ہے اور خدا کسی کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے، تو کسی نہ کسی سبب سے اس کے اندر بے کلی اور بے چینی اور اضطراب و پریشانی پیدا کر دیتا ہے، ہزاروں سکون قربان اس



بے چینی پر جو سب سے ہٹا کر خدا کے آستانے پر کھڑا کر دے اور سب سے نوز کر اس سے جوڑ دے اس ناکارہ اور گنہگار کو بہت سے بزرگانِ دین کی سوانحِ عمری اور حالات لکھنے کا اللہ نے موقعہ دیا اکثر دیکھا کہ جس پر عنایتِ خاص ہوتی اس کی زندگی میں بے چینی کا کوئی سبب پیدا کر کے اس کو سب کے بیچ میں سے اٹھا کر اپنا بنا لیا، بہت سے بزرگوں کے حالات کی تبدیلی اور جذب و کشش کا ذریعہ یہی اضطراب بنا جس کو بہت سے لوگ "اختلاج" کے نام سے یاد کرتے ہیں، والدہ صاحبہ اکثر کہتی تھیں کہ "میں ایک مرتبہ قرآن شریف پڑھ رہی تھی، میں نے یہ آیت دیکھی :-

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو  
میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے  
والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگیں تو مجھے  
کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ  
نیک راہ پر آئیں۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي  
قَرِيبٌ أُنِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ  
فَلِيسَ بَعِيدٌ مِّنِّي وَلِيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ  
يُرْشِدُونَ ۝ (البقرہ - ۱۸۶)

بارہا یہ آیت پڑھی ہوگی اور ممکن ہے کہ اس وقت تک حفظ بھی کر چکی ہوں لیکن وقت کی بات اقدم سے آنکھیں کھل گئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کھوئی ہوئی چیز یا لی اور کوئی نئی حقیقت دریافت کی کہتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے دل پر لکھ دیا ہوا اور کوئی چیز دل کی تہہ میں بیٹھ گئی ہو، ایس کیا تھا جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہوا اور سارے قفلوں کی کنجی ہاتھ آگئی ہو، ایس اسی کو مضبوط پکڑ لیا اور دانتوں سے داب لیا،

دعا کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ سارا وجود اس سے سرشار ہو گیا، ادھر اختلاج شروع ہوا، ایک بے کلی اور بے چینی سی ہر وقت رہنے لگی اپنی زندگی کا انجام آئندہ کی فکر، خوش نصیبی اور کامیابی کا شوق ہر وقت دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا۔

اس ہر وقت کی بے چینی اور اضطراب میں اگر کسی چیز سے تسکین ہوتی تو صرف دعا اور مناجات سے ہی درد کی دوا، روح کی غذا اور زخمِ دل کا مرہم تھا، ایک اندوئی طاقت تھی، جو ان کو ہر وقت دعا اور مناجات میں مشغول رکھتی، خود ہی بے چین کرتی، پھر خود ہی سکون عطا کرتی، خود ہی دل کو زخمی کوئی پھر اس پر مرہم رکھتی، خود ہی رلاتی خود ہی آنسو چھپتی دعا کئے ہوئے روئے ہوئے ذرا دیر گزرتی تو پھر پہلو میں چٹکی لیتی اور زخمِ دل کو جوہرا تھا پھر ذرا سا چھیر دیتی پھر جب تک وہ دل کھول کر دعا نہ کر لیتیں ان کے بے چین دل کو تسکین نہ ہوتی۔

ان کو ہر دعا پر اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ناز بھی بہت تھا اچھے اچھے لوگوں میں میں نے دعا کا وہ ذوق اور دعا میں ایسا یقین نہیں دیکھا جیسا اپنی والدہ صاحبہ کی زندگی میں دیکھا ہے، ان کی زندگی اس حدیث کی تعمیل کا نمونہ تھی جس میں کہا گیا ہے کہ "تمہاری ہانڈی کا نمک کم ہو جائے تو اس کو دعا ہی کے ذریعہ طلب کرو اور تمہاری بوتلی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی اللہ ہی سے مانگو۔"

ان کی ساری زندگی دعا اور مناجات میں گزری، ماٹور دعائیں، منظوم مناجاتیں ٹھٹھٹے بیٹھٹے سوتے جاگتے ہر فکر و تردد کے موقع پر پڑھتی تھیں۔

بچپن سے ہم بھائی بہنوں کو اس کا عادی بنا یا، مجھے یاد ہے کہ جب میں کچھ لکھنے پڑھنے

کے قابل ہوا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا:

تم جب کچھ لکھا کرو تو بسم اللہ کے بعد سب سے پہلے یہ الفاظ لکھا کرو:-

اللَّهُمَّ اَنْتَ بِفَضْلِكَ اَفْضَلُ مَا تَوْتِي عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ: (اے اللہ

اپنے فضل سے مجھے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز عطا فرما جو تو اپنے نیک بندوں عطا کیا کرتا ہے)

ان کو ہر موقعہ کی اتنی دعائیں اور مسنون وظائف یاد تھے جو اس زمانے کے مدارس

کے اچھے اچھے فضلا کو یاد نہ ہوں گے ان کا یہ شعر بالکل حسب حال اور ان کے اصل ذوق کی

ترجمانی کرتا ہے۔

تیرا شیوہ کرم ہے اور میری عادت گدائی کی

نہ ٹوٹے آس اے مولا اترے در کے فقروں کی

ان کے یہ شعر ان کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں اور میں نے ان کو اکثر ملتزم

اور مطاف میں پڑھا ہے اور بڑا ذوق و فائدہ محسوس ہوا ہے۔

کوئی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا      کو نسا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا

کو نسا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا      کو نسا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا

آج اسی سرکار سے میں بھی تو پا کر شاد ہوں!

آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر کھروں!

دعائیں اللہ تعالیٰ ان سے وہ مضامین ادا کروانا جو اہل یقین اور اہل قلوب کا

خاصہ ہیں، طبیعت شروع سے نوزوں بہت تھکی، اس کے علاوہ مسنون دعاؤں اور بے تکلف عرض حال کے جو وہ تہجد میں اور فرض نمازوں کے بعد بالعموم کرتیں اکثر نظم میں بارگاہ الہی میں اپنا مدعا پیش کرتیں اور اپنے مالک کے سامنے فریاد کرتیں۔

یہ مناجاتیں درد و اثر سے لبریز ہوتیں، اور بہت جلد مقبول اور زبان زد ہوجاتیں اور خاندان میں بیبیاں اور بچیاں ان کو یاد کر لیتیں، اور پڑھتی تھیں جس وقت یہ مناجاتیں پڑھی جاتیں، ایک سماں بندھ جاتا، اور دل امنڈ آتے، عرصہ ہوا ان کی مناجاتوں کا مجموعہ "باب رحمت" دیکھ کر ایک صاحب دل اور عارف نے کہا تھا کہ جس کے یہ اشعار ہیں، اس کو اپنے مالک پر ایک ناز اور اس کے ساتھ بندگی کا ایک خاص تعلق معلوم ہوتا ہے، خود میرزا یہ حال ہے کہ ان کے پڑھنے سے ایک خاص کیفیت محسوس ہوتی ہے، اور طبیعت دعا کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے۔

والدہ صاحبہ نے خود اپنی ایک تصنیف میں اس زمانہ کی کیفیت بیان کی ہے، اس سے زیادہ ان کی صحیح اور اچھی ترجمانی نہیں ہو سکتی۔

"دعا گویا میری غذا تھی، بجز دعا کے مجھے سیری نہ ہوتی، دعا کی مشغولیت اتنی بڑھی کہ تمام مشاغل چھوٹ گئے، اگر بات بھی کرتی تو دعا کے ساتھ کرتی، کوئی گھڑی دعا سے خالی نہ گزرتی، جمعہ گویا روز عید تھا، ادنیٰ الحقیقت عید کا دن بھی ہے، تمام دن دعا کرتی، خاص کر عصر سے غروب آفتاب تک تنہا بیٹھ کر دعائیں ایسی مشغول رہتی کہ کسی طرف آنکھ نہ اٹھاتی، مرغ کی ہر آواز پر اور ہر زبان کے ساتھ دعا کرتی،

حتی الامکان کوئی وقت دعا کا ضائع نہ کرتی، اور کوئی بات نہ چھوڑتی ہر نون سے  
 امان مانگتی اور ہر خوبی کی طالب ہوتی، یہ اس مالک حقیقی کی رحمت و عنایت  
 تھی کہ جو جو معاملات زندگی میں پیش آنے والے تھے، دعا کے وقت سب پیش نظر  
 ہو جاتے، اور اس قدر جوش پیدا ہو جاتا کہ بے خودی ہو جاتی اور تمام جگہ آنسوؤں  
 سے تر ہو جاتی، اور اس کی شان قدرت پر نظر کر کے تڑپ جاتی جس طرح مرغ ذبیح  
 تڑپتا ہے، مگر بے خودی میں بھی دعا جاری رہتی ہے، اور ہر وقت اپنے قیام پر  
 نگرانی اور کہتی ہے

جو عیب قسمت کے ہیں مٹا دے تو اسی عالم میں نام ہوگا

سجدے سے سر ہرگز نہ اٹھاتی جب تک ل کو کچھ تسکین نہ ہو جاتی، دعا کے بعد مجھے  
 اس قدر تسکین ہوتی کہ گویا رحمت کے دروازے کھل گئے ہیں، اور میں خزانہ رحمت لوٹ  
 رہی ہوں کبھی خود بخود ہنسی آجاتی ہے اور کہتی ہے

کیوں نہ آئے رحم تجھ کو حال پر میرے رحم	تیری ہی رحمت تو ہے مونس میری اہم مری
بیکسوں کا بس تو ہی مونس تو ہی غمخوار ہے	تجھ سے کہہ کر کیوں نہ ہو بیٹائی دل کم مری
کب نہیں ہوگی خبر تجھ کو دل بیتاب کی	آہ پہونچے گی تیرے دربار میں جدم مری
سائلوں میں اک تیرے دربار کے میں بھی تو ہوں	کیوں ہے فریاد دل یوں درہم و برہم مری
کیوں نہ میں جا ہوں کہ خود ہی چاہنے والا ہے تو	کب گوارا ہے تجھے کہ چشم ہو پڑنم مری

۱۔ رسالہ "الدعاء والقدر" (قلمی) صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۴ عبارت من وعن نقل کی گئی ہے کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کی گئی  
 اشعار بھی انہیں کے ہیں۔

دعا کی محویت اور اس کا انہماک زبرد بڑھتا جاتا تھا اور اس میں ان کو عجیب لذت و سرور ہوش و خروش اور سرشاری کی کیفیت محسوس ہوتی تھی، اسی زمانہ میں ان کی موزوں طبیعت اور جذب دل نے اس کو نظم کا قالب بھی عطا کیا اور وہ اپنے دلی جذبات کو اشعار میں ادا کر کے اپنے دل کو تسکین دینے لگیں، فرماتی ہیں:

”اس مالک حقیقی کو میری گریہ و زاری کچھ ایسی پسند آگئی کہ جو کچھ دیتا رولا کرتا مگر سب سے بہتر دیتا، ایک سال متواتر یہ مشغولیت رہی اس سے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ دعا سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہوئی، تمام خوبیاں ہیچ ہو جاتیں، دعا کی اتنی عادی ہو گئی تھی کہ اکثر نماز میں بجائے سورہ کے دعا مانگنے لگتی اور کاموں کا کیا ذکر اس مالک حقیقی نے دعا سے ایسی دلچسپی پیدا کر دی تھی کہ بغیر دعا کے مجھے آرام نہ ہوتا، جب نماز اور دعا سے فارغ ہوتی تو حزب الاعظم کا ورد کرتی، اور بار بار دہراتی اور طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک دعا سے غافل نہ رہتی، زبان سے کبھی ادا کرتی اور قلم سے کبھی لکھتی، دل اس طرف ایسا مائل تھا کہ خود بخود ایسے اشعار منہ سے نکلتے گویا اصلاح کئے ہوئے ہیں، نہایت گریہ و زاری کے ساتھ اشعار پڑھتی اور روتی اس مالک حقیقی کی قدرت و رحمت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ قسمت کو ہیچ سمجھتی اور اسے صاحب تدبیر سمجھ کر ہر وقت ناز کرتی، اور تمام مشکلوں کو آسان سمجھتی، وہ خواہشیں ظاہر کرتی جو میری قسمت سے بعید اور دشوار تھیں، مگر اس کی شان کبریائی پر نظر کر کے کہتی تھی۔“

ذرہ کو گرچا ہے تو ہی پل میں کرے رشکِ قمر  
تیری صفت یہ دیکھ کر کیوں حوصلہ میرا ہو کم  
اس کی عنایت و شفقت پر مجھے اس قدر ناز تھا کہ یہ کہتی تھی "یا ارحم الراحمین  
اگر تو مجھے میری کوشش میں کامیاب نہیں کرے گا تو ایسی چیخ ماروں گی کہ آسمان  
زمین ہل جائیں گے اور تیرے در سے ہرگز سر نہ اٹھاؤں گی"۔  
نہ اٹھوں گی میں اس در سے کوئی مجھ کو اٹھا دیکھے  
مجھے ہے آرزو جس کی آٹھوں گی میں وہی لیکر

یہ اس کی محبت اور عنایت و رحمت تھی کہ اتنی بڑی سرکار میں مجھے ایسا ڈھیٹ  
کر دیا تھا، اور بے حجاب کہ میں کہتی اور کہہ کر اپنی بات پر اڑ جاتی، اور اتنا بڑا بادشاہ  
مالک الملک ہو کر مجھ ادنیٰ فقیر کی ناز برداری کرتا ہے  
یہ شان دیکھی تیری نرالی ہو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی  
بلا کے دنیا کرم ہے تیرا، یہ فضل بھی ہے کمال بھی ہے!

## شادی

والدہ صاحبہ کی عمر شادی کی ہو گئی تھی، اور ان کی کسی بہمن بہنوں اور عزیزوں کی  
شادیاں بھی ہو گئی تھیں، لیکن ان کی شادی کے بارے میں والدین ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکے تھے

۱۷-۱۵ ص قلمی (رسالہ الدعاء والقدیر)

رشتہ گھری میں موجود تھا، حقیقی چھوٹے چچا زاد بھائی سے حقیقی بہن منسوب تھیں، جو بڑی سے چھوٹی تھیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ کر انھوں نے جوالی میں انتقال کیا اب دوسری بہن (والدہ صاحبہ) کا پیام دیا گیا، چچا کے اس گھر میں ہر طرح کی دنیاوی وجاہت معقول جائداد اور دنیاوی فراغت کے اسباب موجود تھے، مگر کوئی خاص دینی ذوق اور اعلیٰ دینی تعلیم نہ تھی، سارے اسباب و قرآن اس بات کے حق میں تھے کہ یہ رشتہ ہو جائے کہ یہ گھر ہی کے گھر کی بات تھی، کہیں دور جاننا نہ تھا، جائداد اور انتظام بھی مشترک تھا، اور ایک ہی گھر میں بود و باش بھی تھی، نانی صاحبہ بھی اس کی بڑی مؤید اور محرک تھیں، لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا، اس اثنا میں ایک لطیفہ ایسی ظاہر ہوا۔

میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شادی ۱۳۰۹ھ میں اپنی حقیقی ماموں زاد بہن سے ہنسوہ ضلع فتحپور میں ہوئی تھی، طرفین میں نہایت محبت و موافقت تھی، ۱۳۱۹ھ میں ان کا لکھنؤ میں اچانک انتقال ہو گیا، اپنے پیچھے صرف ایک یادگار چھوٹی، میرے بڑے بھائی مولوی حکیم سید عبدالعلی صاحب مرحوم جو اس وقت صرف ۹ سال کے تھے، والد صاحب پر اس اچانک حادثہ کا ایسا اثر ہوا کہ باوجود اس کے کہ ابھی ان کی صرف تینتیس سال کی عمر تھی، انھوں نے دوسری شادی نہ کرنے فیصلہ کر لیا، میرے بڑے دادا صاحب مولوی حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اور میرے سنانا صاحب دونوں حضرت مولانا سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی کے سلسلہ میں مجاز و قرابتوں اور فاندانی رشتوں کے علاوہ پیر بھائی بھی تھے، اور آپس میں نہایت اتحاد و الفت تھی،



س حادثہ کے بعد ان کے دل میں اس بات کا شدید تقاضہ پیدا ہوا کہ والد صاحب کی دوسری شادی حضرت شاہ ضیاء الدینی صاحب کی ان صاحبزادی سے ہو جائے (میری والدہ) جو شادی کے قابل تھیں، اور جو اپنی دینداری اسلیقہ مندی اور پڑھنے لکھنے کے ذوق کی وجہ سے دادا صاحب کو نہایت عزیز تھیں۔

لیکن والد صاحب کی طبیعت شادی کی طرف راغب نہ تھی، اور ان کی طرف سے انتہائی سعادت مندی کے باوجود اس معاملہ میں خاموشی تھی، مجھ سے ان کے ایک نہایت بے تکلف اور عزیز دوست منشی عبد الغنی صاحب مرحوم نے یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ رائے بریلی گیا، حکیم صاحب کے والد مولانا فخر الدین صاحب نے مجھ سے بڑے درد سے کہا کہ کیا ہماری ڈیوڑھی اب بے چراغ رہے گی؟ یہ شادی نہیں کرنا چاہتے، ہمارے بعد اس گھر میں کوئی چراغ جلانے والا بھی نہ ہوگا، تم سید کو اس پر راضی کرو، میں نے لکھنؤ آکر مولوی صاحب سے کہا کہ آپ کے والد صاحب کی بڑی خواہش اور تمنا ہے کہ آپ دوسری شادی کر لیں اگر آپ نے انکار کیا تو ان کی ناراضگی کا ڈر ہے، آخر کار والد صاحب باپ کی اطاعت اور تعمیل حکم کے خیال سے راضی ہو گئے اور نانا صاحب کے یہاں بیخام بھیجا گیا۔

یہاں پر اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جس طرح خاندان میں ہمارے نانا صاحب کا گھر سب سے زیادہ کھانا پتیا اور خوش حال، باوجاہت تھا، ہمارے دادا صاحب

لے خاندان میں میرے والد صاحب کا یہی عرف تھا۔

کے یہاں اسی قدر اس چیز کی کمی تھی، یہاں کوئی جائداد اور زمینداری عرصہ سے نہ تھی، خاندان کی اس شاخ میں بہت اوپر سے علم دین کا سلسلہ چلا آ رہا تھا، اور یہ مولویوں کا گھرانہ مشہور تھا۔ یہاں جائداد کے بجائے کچھ کتابوں کا ذخیرہ اور دینی علم نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا رہا، اور یہی اس کی سب سے بڑی جائداد تھی، اس دور میں خاص طور پر گھر میں ایک طرح کی تشکی اور عسرت تھی، دادا صاحب حاذق طلبیب بڑے فاضل اور مصنف تھے، لیکن طبیعت میں بے نیازی اور خودداری بہت تھی، کبھی کبھی معاش کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی، گھر میں کسی کسی وقت فاقہ ہو جانا بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔

والد صاحب مرحوم نظامت ندوۃ العلماء میں پہلے تیس چالیس روپے ماہوار کے ملازم تھے، پھر اس کو بھی ترک کر دیا، ایسی حالت میں جب یہ پیام پہنچا تو میری نانی صاحبہ کو اس کے قبول کرنے میں بڑا تردد ہوا، عورتیں ان معاملات میں زیادہ دور بین اور حساس ہوتی ہیں، گھر سے گھر ملا ہوا تھا، وہ گھر کی حالت سے واقف تھیں، پہلے رشتہ کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دینا ان کے سمجھ میں نہ آیا، جان بوجھ کر بیٹی کو تکلیف میں ڈالنا ان کے نزدیک کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی، لیکن نانا صاحب کو والد صاحب کے ساتھ بڑی محبت تھی، والد صاحب نے ان سے روحانی استفادہ بھی کیا تھا، اور وہ ان کی علمیت اور صلاحیت سے بھی واقف تھے، پیام آتے ہی وہ کھل گئے، اور گویا ان کی مراد پوری ہوئی، نانی صاحبہ سے انھوں نے صاف کہہ دیا کہ سید جوان صالح عالم اور ہونہار ہے، میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، میرے نزدیک عزت اور امارت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اصل دیکھنے کی چیز

صلاحیت اور علم ہے۔

خود والدہ صاحبہ کی زبان سے اس کو سنتے، اپنے رسالہ "الدعا والقدر" میں

لکھتی ہیں:

"جس طرف سے زیادہ کوششیں تھیں وہ میرے چچا کا گھر تھا، دو بہنیں  
میری اس گھر میں منسوب ہو چکی تھیں، یہ گھر ایک مدت سے سرسبز اور آباد تھا،  
دنیاوی اعتبار سے ہر خوبی میں بے مثال تھا، مال و دولت، عزت، شرم و جیا  
صورت و سیرت، غرض اس سے بہتر کوئی گھر نہ تھا، یہ ہمارے لئے باعثِ فخر  
سمجھا جاتا تھا، والدہ مرحومہ کی دلی خواہش اسی طرف تھی، اپنے حقیقی بھائی کے  
گھر پر اس کو ترجیح دینیں، اور مجھے بھی یہ گھر عزیز تھا، تمام باتیں میرے موافق  
تھیں، مگر والد مرحوم کا خیال تھا کہ مفلس ہو کر منتقلی اور پرہیزگار ہو، یہ خوبی  
یہاں نہیں پائی جاتی تھی!"

اس کش کش اور تردد و انتظار کے زمانہ میں والدہ صاحبہ نے جن کو اس زمانہ  
میں خوابوں سے بڑی مناسبت تھی کئی ایسے خواب دیکھے جن میں والد صاحب کے گھر کی  
طرف اشارہ تھا اور یہ کہ اگر یہ دونوں گھر مل گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص  
عنایتیں ہوں گی، اسی کے آگے پیچھے ایک نہایت بشارت آمیز خواب دیکھا جس سے  
وہ زندگی بھر تسکین حاصل کرتی رہیں، جب وہ اس کا تذکرہ کرتیں تو ان پر ایک خاص  
کیفیت طاری ہو جاتی وہ لکھتی ہیں:-

”ایک رات کو میں نے خواب دیکھا کہ خاص اس مالک کریم، رحمن و رحیم کی عنایت و مہربانی سے ایک آیتہ کریمہ مجھے حاصل ہوئی، صبح تک وہ زبان پر جاری تھی، مگر کچھ خوف ایسا تھا کہ میں بیان نہ کر سکی، منہ سے نکلتا دشوار تھا اور اس کے معنی بھی مجھے معلوم نہ تھے، جب معنوں پر غور کیا تو خوشی سے بھول گئی اور تمام فکر غم بھول گئی اپنی اس خوش نصیبی پر فخر کیا اور اس خواب کو بیان کیا ہر شخص سکر رشک کرتا، اور والد مرحوم خوشی میں رونے لگے، وہ آیت کریمہ یہ ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السجدہ - ۱۷)

سو کسی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔“

بالآخر نانا صاحب کا فیصلہ اور ارادہ غالب رہا اور ۳۲ ص ۱۹۰۴ء میں بخیر و خوبی یہ رشتہ ہو گیا، دادا صاحب اس رشتہ سے باغ باغ اور اپنے انتخاب پر مطمئن اور مسرور تھے، والد صاحبہ کے آتے ہی انھوں نے گھر کا سارا انتظام اور والد صاحبہ کی دو چھوٹی بہنوں کو جو دوسری والدہ سے تھیں، والدہ صاحبہ کے حوالہ کر دیا، اور خود وہ اور دادی صاحبہ مرحومہ گھر اور بچوں کی طرف سے بالکل فارغ اور سبک دوش ہو گئے۔

## خیر و برکت کا نزول

والدہ صاحبہ اپنے نئے گھر میں آئیں تو اس کا انھوں نے وہی نقشہ دیکھا جس کو وہ بنا کرتی تھیں، تنگی ترشی کا زمانہ کبھی فراغت کبھی فاقہ، گھر میں کسی کھانے والے اور دادا صاحب کی آمدنی برائے نام، اور صہرنانی صاحبہ اپنی شفقت کی بنا پر اس ٹوہ میں رہتی تھیں کہ بیٹی کو کچھ تکلیف تو نہیں ہے کبھی کسی ماما کو بھیجتیں کہ گھر میں کچھ پک رہا ہے، یا نہیں؟ والد صاحب نے کسی بار سنا یا کہ جب میں کسی کو اپنے میکہ سے آتے دیکھتی تو چولھے پر ہانڈی رکھ دیتی اور آگ جلا دیتی تاکہ یہ معلوم ہو کہ کھانا پک رہا ہے، حالانکہ اس میں پانی کے سوا کچھ نہ ہوتا بعض اوقات نانی صاحبہ اپنی فراست سے تاڑ لیتیں اور کھانے کا خوان لگا کر بھیجتیں، کچھ ہی عرصہ کے بعد والد صاحب نے مطب شروع کرنے کا ارادہ کیا، والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ مجھ سے مشورہ لیا، میں نے اس کی بڑی تائید کی، اور مطب کا سلسلہ شروع ہو گیا، مطب شروع ہوتے ہی وہ پریشانی دور ہو گئی، آمدنی کا سلسلہ شروع ہوا اور بہت جلد اتنی برکت اور ترقی ہوئی کہ گھر کا نقشہ ہی بدل گیا، گھر جس کا بڑا حصہ خام تھا، والدہ صاحبہ کی بلند سمتی اور زندہ دلی سے اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، اور رفتہ رفتہ ایک پختہ ہوئی بن گئی دونوں بہنوں اور بھائی صاحبے کو اس طرح اپنی تربیت اور شفقت میں لیا کہ وہ ماں کو بھول گئے اور ساری عمر ان سب نے انھیں کو ماں سمجھا، جس گھر میں خود گھر والوں کو کبھی کبھی

لے ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب

فاقہ کرنا پڑتا تھا، اب وہاں ہر گھر سے زیادہ مہمانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اسے بریلی اور لکھنؤ میں اپنے پرالیوں اور قریب و دور مہمانوں کا لہجہ و ماویٰ بن گیا۔

اپنے اس گھر کا نقشہ اور اس کی خصوصیات اور تھوڑے عرصہ میں یہاں جو تبدیلی ہوئی اس کا ذکر خود انہوں نے اپنی تحریر میں کیا ہے، اور وہ انہیں کی زبان سے سننے کے قابل ہے، اس سے ان کے حقیقی جذبات اور ان کے ذوق اور رغبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

بیشک اس گھر میں دولت نہیں تھی، مگر وہ خوبیاں تھیں جن پر تمام دولت نثار کر دی جائے ایک علم ایسی چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے دولت ختم کر دی جاتی ہے، جب بھی یہ دولت کم نصیب ہوتی ہے، پھر علم کے ساتھ ہزاروں خوبیاں موجود تھیں، دولت وہ چیز ہے جس کے ساتھ ہزاروں جھگڑے ہوتے ہیں اس مالک حقیقی نے دولت مندوں سے زیادہ مجھے عزت دی اور وہ مہربانیاں اور عنایات مجھ پر کیں جن کا اظہار کرنا امکان سے باہر ہے، اس قلیل آمدنی میں وہ کام کروائے، جو دولت مند نہیں کر سکتے، وہ ضرورتیں پوری کیں جو کسی وقت میں نہ پوری ہو سکتیں، اگر کا نصف درجہ ایک مدت سے ناکمل پڑا تھا، بہتوں نے کوشش کی مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی، علاوہ اس کے شادی وغیرہ کی کوئی صورت نہیں تھی، رسم و رواج بھی ضروری اٹھا دیئے گئے تھے، ایک معمولی طریقہ سے گذر ہو رہا تھا۔

یہاں میں اپنی خصوصیت نہیں بیان کرتی بلکہ اس مالک حقیقی کی قدرت اور دعا کی عظمت و برکت دکھاتی ہوں یہ کہ چند ہی روز میں یہ گھر قابل رشک ہو گیا نہ وہ گھر ہا نہ وہ تنگی اتمام ضرورتیں نہایت فراغت اور خوبی کے ساتھ پوری ہوتی گئیں نصف حصہ کیا ایک اچھی خاصی شاندار عمارت تیار ہو گئی جس گھر میں بجز فکر کے اور کچھ نہ تھا، اس گھر کو مالک حقیقی نے بال اولاد اور تمام خوبیوں سے بھر دیا اور ہر حالت قابل اطمینان ہو گئی اس مالک حقیقی کی کچھ ایسی رحمتیں اور برکتیں مجھ پر متواتر نازل ہوئیں گو پارحمت کے دروازے کھل گئے، گھر جنت کا نمونہ بن گیا، تمام امیدیں سرسبز ہو گئیں، خیالات جو لپست ہو رہے تھے، ایسے وسیع ہوئے کہ دوزخ کی سوچنے لگی، ہم کو اپنی ضرورتیں پوری کرنا دشوار تھا، اس کے فضل سے دوسروں کی ضرورتیں ہم سے پوری ہونے لگیں، پہلے ایک ماہ اطمینان سے نہ گزرتا تھا، اب برسوں مہمانوں سے دسترخوان خالی نہ ہوتا، اس کی عنایت سے تمام نعمتیں موجود ہو گئیں، ہر طرح کا آرام نہ کچھ فکر نہ کوئی اندیشہ!

آگے چل کر لکھتی ہیں:

یہ گھر میرے لئے جنت اور یہ خدمت میرے لئے رحمت تھی، گویا میں سایہ رحمت میں آگئی، نہ کوئی فکر رہی نہ غم، ہر گھڑی شکر میں گذرنے لگی ہے

کس زباں سے کروں میں شکر ادا  
تیرے انعام و لطف بے حد کا  
تو نے مجھ کو کیا بنی آدم  
اشرف المخلوق اکرم العالم

## صبر و شکر کی زندگی اور معمولات کی پابندی

۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) ہمارے گھر کے لئے بلکہ خاندان کے لئے عام اکھن (عم کا مال) تھا، اسی میں ایک سال کے اندر اندر تقریباً دو مہینے کے وقفہ سے دادا صاحب اور نانا صاحب دونوں نے انتقال کیا، اس طرح میرے والد صاحب اور میری والدہ صاحبہ دونوں کو ایک ہی طرح کا صدمہ پیش آیا، اور دونوں صحیح معنی میں ایک دوسرے کے شریکِ غم تھے، الحمد للہ کہ دونوں اس رشتہ کی کامیابی اور اس گھر کی ترقی و برکت دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

اب والدہ صاحبہ کا قیام زیادہ تر لکھنؤ رہنے لگا، انتظام خانہ داری کی ساری ذمہ داری ان پر تھی، مہمانوں کا وسیع سلسلہ تھا، خاندان کے کئی بچے تعلیم کے سلسلے میں مستقل طور پر مقیم رہتے تھے، بھائی صاحب تعلیم حاصل کر رہے تھے مختلف مہمانوں اور خاص طور پر عزیزوں کی خاطر داری اور ان کی حیثیتوں اور مزاجوں کی رعایت سب کے حقوق کی ادائیگی بڑا نازک اور مشکل کام تھا، والدہ صاحبہ کی زندگی اس دور میں اس ایشارہ قربانی کا نمونہ تھی، جو ہندوستانی عورتوں کا طرہ امتیاز اور دین دار و تربیت یافتہ



مسلمان بیبیوں کا شمار ہے وہ والد صاحب کی اجازت کے بغیر باوجود اس کے کراٹھوں نے ان کو گھر کا مالک بنا رکھا تھا، ان کی چیزوں میں بلا اجازت تصرف کرنا قریب قریب ناجائز سمجھتی تھیں، گھر میں موسم کے جو پھیل اور باہر سے جو تحائف آتے جب تک والد صاحب کی اجازت اور صراحت نہ ہوتی وہ اپنے بھانجوں، بھتیجیوں کو تو کیا اپنی اولاد کو بھی دینا گناہ سمجھتی تھیں۔

والد صاحب کے تعلقات بہت وسیع تو نہ تھے، مگر بہت منتخب لوگوں سے تھے، زیادہ تر یہ وہ لوگ تھے جن کا ان کے شیخ حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مراد آبادی سے تعلق تھا، ان میں بھی بہت سی خصوصیتوں کی بنا پر نواب سید صدیق حسن خاں بہادر رئیس بھوپال کے بڑے صاحبزادے نواب سید نور الحسن خاں مرحوم سے بہت گہرے اور مخلصانہ تعلقات تھے، ان کو والد صاحب سے ایسا تعلق تھا کہ ان کے بغیر ان کو چین ہی نہیں آتا تھا، اس خصوصی تعلق کی بنا پر والدہ صاحبہ اور ہمارے سب گھر والوں کا انکی کوٹھی پر بار بار جانا ہوتا تھا، تقریب بلا تقریب کوئی مہینہ مشکل سے ایسا گزرتا تھا کہ کسی نہ کسی بہانہ سے ان کی بیگم صاحبہ بلا تیں اور دن دن بھر رہنا ہوتا، لیکن اس خلا ملا کے باوجود والدہ صاحبہ نے اپنا رکھ رکھاؤ اور اپنا طرز و لیے ہی قائم رکھا جیسا ان کے خاندان میں چلا آ رہا تھا، ان کی سادگی خلوت پسندی، قناعت اور دنیا سے بے رغبتی میں سرسوفرق نہیں آیا۔

نواب صاحب مرحوم کے علاوہ والد صاحب کے چند اور مخلص دوست تھے،

جن کے یہاں آمد و رفت رہتی تھی، یہ دین دار با خدا اور نہایت مخلص اجباب تھے، اور ان سب کا تعلق مولانا فضل رحمن صاحب یا مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلّی سے تھا، جو والد صاحب کے محبوب ترین استاد تھے، یا ان سے کوئی خاص علمی و دینی رشتہ تھا، ایک منشی محمد خلیل صاحب دوسرے منشی رحمت اللہ صاحب تیسرے حاجی شاہ محمد خاں صاحب اور چوتھے شیخ محمد عرب صاحب ہو والد صاحب مرحوم کے استاد اور استاد زادہ تھے، زیادہ تر والدہ صاحبہ کا تقریبات اور بلاوے پر انہیں چند گھروں میں آنا جانا تھا۔

اس پورے عرصہ میں جس میں زندگی اور خاندان میں بہت سے نشیب و فراز آئے، متعدد اولادیں ہوئیں، خوشیاں بھی اور پریشانیاں بھی پیش آئیں، ان کے معمولات و عساکا شغف قرآن مجید کا دور برابر قائم رہا، رمضان المبارک میں قرآن مجید کا دور اور بعض اوقات اس کا تراویح میں ختم کرنے کا سلسلہ بھی تھا، بھائی صاحب کو والدہ صاحبہ سے اس وقت بھی انس تھا، جب ان کی والدہ حیات تھیں، اور بعد میں تو انہوں نے ان میں اور اپنی ماں میں فرق نہیں سمجھا اور انہوں نے بھی ان کو ہمیشہ اپنی اولاد پر ترجیح دی، والد صاحب کی دونوں بہنوں اور بھائی صاحب کی شادی بڑے شوق، خوش سلیقگی، اور حسن انتظام سے کی۔

## صدرہ بانگاہ اور یم ورضا کی زندگی

غرض یہ زمانہ ہر طرح سے فرحت و مسرت اور خیر و برکت کے ساتھ گذر رہا تھا کہ لیپانگ ۵، جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ (۲ فروری ۱۹۲۳ء) کو والد صاحب کے انتقال کا واقعہ

آیا، پہلے سے طبیعت کچھ ناساز نہ تھی، میرے چچا مولوی سید عزیز الرحمن صاحب کو کچھ چوٹ  
 تھی، والد صاحب نے والدہ صاحبہ کو ان کی عیادت کے لئے ان کے یہاں بھیج دیا، مغرب  
 بعد تک کام کیا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں، ندوہ کے کاغذات پر دستخط کئے، پھر اچانک مرض موت  
 آگیا اور گھنٹہ دو گھنٹہ میں اپنے پیدا کرنے والے سے جا ملے۔

مجھے خوب یاد ہے میری عمر اس وقت نو سال کی تھی، میں ہی والدہ صاحبہ کو لینے گیا،  
 وہ آئیں اور ان کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ سجدہ میں گر گئیں جو ہونا تھا، وہ ہوجکا تھا،  
 وہ ان کی زبان سے اس صدمہ اور اس پر صبر و رضا کا حال سنئے:

”جب خدمت کی مدت ختم ہونے کو آئی تو اس مالک حقیقی نے میرے حق میں  
 بہتر سمجھ کر قسمت کا بہانہ پیش کر دیا، قسمت نے حکم ایزدی پا کر فوراً ہی فیصلہ  
 کر دیا، میں اپنے مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہو گئی مگر عیم جدائی ایسا نہ تھا کہ برداشت  
 کر لیتی، یہ بھی اس کی رحمت اور حکمت تھی، جو مجھے اپنی خوشی پر راضی رکھا اور نہ  
 جو بھی حالت ہو جاتی کم تھی، ایسے مونس و رفیق کا ایک بیک نظر سے غائب ہو جانا  
 قیامت سے کم نہ تھا، میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ دل پھر دل کی صورت میں کیوں کر  
 رہ گیا، بس یہ کہنا چاہئے کہ یہ حکم میرے لئے ہلاکت و مصیبت نہیں تھا، بلکہ سراسر  
 رحمت اور ذریعہ عنایت تھا کہ بجائے ہلاکت و بربادی کے مجھے اپنے سایہ رحمت  
 میں لے لیا، اور میرا سچا مونس و عنخوار و مددگار ہو کر ہر موقع پر ساتھ دینے لگا  
 سبحان اللہ کیا شان رحمت ہے اس کی، اٹھی غم کی گھاٹا اور رحمت ہو کر

برس گئی جس سے تمام کھیتی سرسبز و شاداب ہو گئی۔

اس وقت لکھنؤ کے گھر میں مردوں میں ہی تھا، وہ بھی نو دس برس کی عمر بھائی کے  
 ڈیکل کالج لکھنؤ کی طرف سے (جہاں وہ تعلیم پا رہے تھے) طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ  
 مدراس گئے ہوئے تھے، جہاں ڈاکٹری کا کوئی ایسا شعبہ تھا، جو اس وقت تک لکھنؤ میں قائم  
 نہیں ہوا تھا، بڑوں میں میرے والد صاحب کے حقیقی چھوٹی زاد بھائی مولوی سید  
 عزیز الرحمن صاحب ندوی بھی لکھنؤ میں تھے مگر بیمار۔

اگلے دن (۳ فروری ۱۹۲۳ء) ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ کو ہمارا چھوٹا سانسو کو  
 قافلہ اپنے وطن رائے بریلی کو روانہ ہوا جہاں والد صاحب کی تدفین اپنے خاندانی بزرگوں کے  
 پہلو میں ہونی قرار پائی تھی لکھنؤ سے بظاہر ہم لوگ ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے، باپ کا  
 سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، بھائی پردیس میں تھے، والد صاحب نے ترکہ میں صرف ایک روپیہ نقد  
 چھوڑا تھا، جو ان کے دو اوں کے صندوقچہ میں کہیں پڑا ہوا تھا، اور برسوں پڑا رہا، شکل قرض  
 کچھ فیسیں اٹا وہ کے ایک راجہ کے ذمہ تھیں، گھر میں شروع سے نہ کوئی جائداد تھی نہ جاگیر، روز  
 کی آمدنی روز کا خرچ، پس انداز کرنے کا والد صاحب کا معمول نہ تھا، بھائی صاحب کی تعلیم  
 ابھی نامکمل تھی، اور غالباً دو سال باقی تھے، مجھے اب یاد نہیں کہ ابتدائی زمانہ کس طرح گذرا،  
 ہاں ہمارے ناموں نہایت شفیق اور والدہ صاحبہ کے جان نثار بھائی تھے، لیکن والدہ  
 نے اپنی فطری ہمت اور اولوالعزمی سے ہم لوگوں کو محسوس نہ ہونے دیا کہ ہم لوگ تم ہو گئے ہیں

اور اب پہلی سی حالت نہیں رہی۔

غالباً ہفتہ عشرہ کے بعد بھائی صاحب (جن کو حادثہ کا علم ایک عجیب طریقہ سے  
 بمبئی میں ہوا) اچانک رائے بریلی پہنچے، وہ منظر ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہے، والد صاحب  
 کی قبر پر پہنچ کر ان کا بیقرار می سے رونا چشم تصور کے سامنے گویا کل کی بات ہے، پھر گھر آئے،  
 ماں بہنوں سے ملے اللہ تعالیٰ کی ہزار رحمتیں ہوں ان کی روح پر کہ پھر انھوں نے ایک لمحہ  
 کے لئے محسوس نہ ہونے دیا کہ ہم لوگ باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے ہیں، وہ دن اور ان کے  
 دنیا سے کوچ کرنے کا دن کہ انھوں نے باپ کی طرح شفقت فرماں بردار اولاد کی طرح  
 خدمت اور ناز بردار بھائی کی طرح محبت کی، والدہ اور ہم سب بھائی بہنوں کے ساتھ  
 ان کی سعادت مندی اور محبت پہلے سے کہیں بڑھ گئی، یہ ایک پوری کہانی ہے جس کے  
 سننے کا موقعہ والدہ صاحبہ کے تذکرہ میں نہیں، بھائی صاحب کا تذکرہ اور ان کی  
 تاریخ ہے، جب کبھی خدا توفیق دے گا یہ کہانی بھی سنائی جائے گی۔

## وظیفہ زندگی

رائے بریلی میں عدت کی مدت میں بھی اور اس کے بعد بھی والدہ صاحبہ کے دہی  
 مشغلے تھے، ایک دینی کتابوں کا سنا جن کے پڑھنے کی سعادت اکثر مجھے حاصل ہوتی تھی،  
 لے الحمد للہ کہ اس کام کی توفیق ہوئی، اور والد صاحب کے تذکرہ کے ضمیمہ کی شکل میں بھائی صاحب (ڈاکٹر سید عبد العالی صاحب  
 مرحوم) کا تذکرہ بھی مکمل ہو گیا، یہ کتاب "حیاتِ بلدھی" کے نام سے ۱۹۷۰ء میں ندوۃ المصنفین دہلی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے

دوسرے ان کی زندگی بھر کا وظیفہ دعا اور عبادت۔

اس زمانہ میں ہمارے خاندان میں ایک بڑا اچھا دستور تھا کہ جہاں کوئی ایسا غمناک واقعہ پیش آتا، دل دکھے ہوئے ہوتے یا کوئی پریشانی کی بات ہوتی تو صمیم الامام "سنی جاتی" یہ مشہور مورخ و اقدی کی مشہور کتاب "فتوح الشام" کا پچیس ہزار اشعار میں ترجمہ ہے، یہ ترجمہ اور نظم ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ امیرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا، منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی لکھی ہوئی ہے، جوش و خروش سے بھری ہوئی درد و آثر میں ڈوبی ہوئی جنگ کا نقشہ ایسا کھینچتے کہ دل جوش سے اچھلنے لگتے ہیں، اور نصن تیز ہو جاتی ہے، شہادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ خود راہ خدا میں جان دینے کے لئے دل بیتاب ہو جاتا ہے، اور صحابہ کرام اور مجاہدین کے غم کے سامنے اپنا غم بھول جاتا ہے، تسلی اور تشفی اور گھر میں صبر و سکون اور تسلیم و رضا کی فضا پیدا کرنے کے لئے یہ سب تدبیریں کی گئیں، اور تھوڑے دنوں میں دلوں میں سکون پیدا ہو گیا۔

## تصنیفی مشغلہ

والدہ صاحبہ منا جاتیں اور نظہیں لکھ لکھ کر اپنا غم غلط کرتیں اور اپنے دل کو تسکین دیتیں، خاندان کی بچیوں کو اپنے پاس رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر اپنا دل بہلاتیں، منا جاتوں اور نظموں کا پہلا مجموعہ "باب رحمت" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں بھالی صاحب کی توجہ اور اہتمام سے شائع ہوا اور اس پر انھوں نے میرے نام سے ایک بہت موثر

تعارفی مقدمہ لکھا۔ یہ کتاب بہت جلد گھر گھر پھیل گئی، بہت سی مسلمان بلیوں اور دعا و مناجات کا ذوق رکھنے والی مستورات نے اس کو پڑھ کر مناجات کا لطف اور دعا کی لذت حاصل کی اور یہ مجموعہ نہایت مقبول ہوا۔

اپنے خاندان نیز دوسری مسلمان بچیوں کے لئے انھوں نے ایک دوسری کتاب لکھی جس میں دینی و اخلاقی ہدایات اور اچھی و خوشگوار ازدواجی زندگی کے اصول و آداب اور حقوق و فرائض و امور خانہ داری کی تعلیم کی ہے، یہ کتاب بھی چند سال کے بعد "حسن معاشرت" کے نام سے چھپی اور مقبول ہوئی والدہ صاحبہ کھانے کی ترکیبوں اور نئے نئے نسخوں کی ایجاد میں بھی مجتہدانہ دماغ رکھتی تھیں، اس موضوع پر بھی انھوں نے ایک کتاب "ذائقہ" کے نام سے لکھی، جو ۱۹۳۰ء میں "نامی پریس" لکھنؤ میں چھپی اور بہت پسند کی گئی۔

## والدہ صاحبہ کا میر ساتھ معاملہ اور تعلیم و تربیت کا انداز

ادھر میری باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو والدہ صاحبہ کو ایک نیا مشغلہ ہاتھ آیا جب تک رائے بریلی رہتا، میری نگرانی، اخلاقی اور دینی تربیت میں مشغول رہیں

لہ بعد میں اسی کا ایک انتخاب نئے اضافوں کے ساتھ دو حصوں میں "کلید باب رحمت" کے نام سے مکتبہ اسلام نے شائع کیا اور بہت جلد ختم ہو گیا، اب دوبارہ اس کتاب کا پہلا حصہ شائع ہوا ہے۔

مجھے قرآن مجید کی متعدد بڑی بڑی سورتیں انھوں نے اسی زمانہ میں یاد کرا دی تھیں باوجود اس کے ان کی شفقت ضرب المثل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری ولداری اور ایک حد تک ناز برداری قدرۃً دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں لیکن دو باتوں میں وہ بہت سخت تھیں، ایک تو نماز کے بارے میں مطلق تساہل نہیں برتی تھیں، میں عشر کی نماز پڑھے بغیر اگر کبھی سو گیا، خواہ کسی ہی گہری نیند ہوا اٹھا کر نماز پڑھواتیں اور نماز پڑھے بغیر ہرگز سونے نہ دیتیں، اسی طرح فجر کی نماز کے وقت پر جگادیتیں اور مسجد کھجنتیں، پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لئے بٹھا دیتیں۔

دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں، اور ان کی غیر معمولی محبت و شفقت اس میں خارج نہ ہوتی، وہ یہ کہ اگر میں کسی خادمہ کے لڑکے یا کام کاج کرنے والوں اور غریب بچوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نا انصافی کرتا یا حقارت اور غرور کے ساتھ پیش آتا، تو وہ مجھ سے نہ صرف معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جوڑواتیں، اس میں مجھے کتنی ہی اپنی ذلت اور خفت محسوس ہوتی، مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہونچا، اور ظلم و تکبر و غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا، اور دل آزاری اور دوسروں کی تذکیلیں کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا، اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا اقرار کر لینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا۔

جب لکھنؤ جاتا تو خطوط کے ذریعہ نصیحتیں اور ہدایتیں فرماتی رہتیں، ان کی تمام دل چسپیاں اور آرزوئیں سمٹ کر میرے اندر آگئی تھیں، مجھے اپنے اسلاف کا



صحیح جا نشین، اپنے نامور والد کی سچی نشانی، اپنے خاندان کی خصوصیات کا حامل،  
 نہ صرف خاندان بلکہ اسلام کا نام روشن کرنے والا اور

دین کا مبلغ اور داعی دیکھنے کی آرزو ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور چرخ زندگی  
 تھا، جس کی نو سے ان میں تو انائی طاقت اور زندگی قائم تھی، ہر وقت اسی کی فکر،  
 ہر وقت اسی کی دھن، ہر وقت اسی کی دعا، ہر وقت اسی کا تذکرہ۔

میرے لکھنؤ کے قیام اور میری ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں انھوں نے جو مجھے

طویل اور مفصل خط لکھے ہیں، اور جن کا منتخب ذخیرہ میرے پاس بچھڑا محفوظ ہے، وہ

ان کے دلی جذبات کا آئینہ بلکہ ان کے کمالات اور خداداد صفات کا مرقع ہے، جو

اللہ تعالیٰ نے بالکل وہی طریقہ پر ان کو عطا فرمائے تھے، اور جو ان کی زندگی کا اصل جوہر

تھا، تعلیم یافتہ اور دین دار مسلمان والدین نے اپنی اولاد کو جو خطوط لکھے ہیں، ان کے

وسیع ذخیرے میں اس خدا کی نیک بندی کے جس نے ایک محدود گاؤں کے ماہول میں

آنکھ کھولی، اور نہایت مختصر اور محدود تعلیم حاصل کی، یہ خطوط ایک خاص امتیاز رکھتے

ہیں، اگر ان کی زندگی کی کوئی اور علمی اور دینی یادگار اس کے سوا نہ ہوتی تو یہ خطوط ہی

کافی تھے۔

اس ہمارے خاندان میں انگریزی تعلیم اپنے پورے عروج پر تھی، زمینداری کی

فراعنت، زمانہ کا تقاضا، بڑے بڑے عہدوں کا لاپچ، ترقی کرنے والوں کی مثالیں

یہ سب اس کی تحریک و تشویق کے لئے کافی تھیں، اور بڑے بڑے مضبوط مردوں کے

پاؤں بھی اس بہاؤ میں ڈگر کا رہے تھے، خود والدہ صاحبہ کے ایک حقیقی بھانجہ لندن میں  
 بیسٹری پاس کرنے کے لئے گئے تھے، اور کچھ ہی عرصہ پہلے کامیاب ہو کر آئے تھے، ایک  
 حقیقی بھتیجہ امریکہ گئے اور اس زمانہ میں وہ وہاں تعلیم پا رہے تھے، اور ان کے خطوط برابر  
 آتے اور پڑھے جاتے تھے، رشتہ کے ایک عزیز جرمنی اور جاپان جا کر اونچی ڈگریاں  
 لائے تھے، ایک اور عزیز انڈین سول سروس کے لئے منتخب ہو گئے تھے، اور تعلیم کی  
 تکمیل کے لئے لندن گئے ہوئے تھے، اور میری نو عمری ہی تھی کہ وہ وہاں سے آ کر ایک  
 بڑے عہدہ پر سرفراز ہوئے میں خود لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرتا تھا، سارا ماحول میں تعلیم  
 کی اہمیت و ضرورت کا مبلغ تھا، بھائی صاحب مرحوم نے میرے لئے عربی علوم و غیبیہ  
 میں کمال پیدا کرنے کا راستہ ہی منتخب کیا تھا، ان کا خود خیال تھا کہ مجھے اس راستہ کو  
 اپنانا چاہیے، بعض عزیزوں نے ان کو طعنہ دیا کہ تنہا بھائی کو عربی پڑھا رہے ہیں، اور  
 ملامت رہے ہیں، بھائی صاحب مرحوم خاص مزاج اور انداز کے آدمی تھے، بخت مباحثہ  
 اور سوال و جواب سے ان کو بالکل مناسبت نہ تھی، انہوں نے اس کا اک ایسا جواب  
 دیا کہ اس کا جواب نہ تھا، انہوں نے کہا کہ ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں، والد جوان کو  
 پڑھاتے وہ ہم ان کو پڑھا رہے ہیں! بھائی صاحب کے اس فیصلے اور خواہش پر  
 والدہ صاحبہ کا جذبہ اور ان کی ایمانی قوت اور دنیاوی اعزاز و منصب سے ان کی  
 بے رغبتی نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔

## چند تربیتی خطوط

ایک زمانہ میں میری طبیعت دینی تعلیم سے کچھ اچاٹ سی ہونے لگی اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری امتحانات دینے کا دورہ سا پڑا، بھائی صاحب نے کسی خط میں یارائے بریلی کے کسی سفر میں والدہ صاحبہ سے میرے اس نئے رجحان کی شکایت کی اس پر انھوں نے میرے نام جو خط لکھا اس سے ان کے دنی خیالات، جذبات اور ان کی قوت ایمانی اور دین سے محبت و عشق کا اندازہ ہوتا ہے، اس خط کا ایک اقتباس جس پر کوئی تاریخ نہیں ہے، لیکن غالباً ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کا لکھا ہوا ہے، من و عن پیش کیا جا رہا ہے۔

”علی! دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں، تو انگریزی دانوں سے کیا امید بجز عہدہ اور طلبہ کے اور تیسری مثال نہیں پاؤ گے، علی! اگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبہ حاصل کر رہے ہیں، کوئی ڈپٹی ہوئے اور کوئی جج، کم از کم بیسٹرا اور وکیل ہونا تو ضروری ہے، مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں، میں انگریزی والوں کو جاہل اور اس علم کو بے سود اور بالکل بیکار سمجھتی ہوں، خاص کر اس وقت

۱۔ عبد و خاندان میں بھائی صاحب کی عرفیت تھی، طلبہ سے مراد میرے پھوپھا مولانا سید محمد علی صاحب ایم اے ہیں جو عرصہ تک اورنٹیل کالج لاہور میں پروفیسر رہے، ۱۹۴۰ء میں کراچی میں انتقال کیا۔

میں نہیں معلوم کیا ہوا اور کس علم کی ضرورت ہو، اس وقت میں البتہ ضرورت زیادہ تھی، اس مرتبہ کو تو ایک سڑا چار بھی حاصل کر سکتا ہے، یہ عام ہے، کون ایسا ہے، جو اس سے محروم ہے وہ چیز حاصل کرنا چاہئے جو اس وقت گراں ہے، کوئی حاصل نہیں کر سکتا جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں اور سننے کے لئے کان مشاق ہیں، آرزو میں دل مٹ رہا ہے لیکن وہ خوبیاں نظر نہیں آئیں۔

افسوس ہم ایسے وقت میں ہوئے، اعلیٰ! تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ، اگر خدا کی

رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان مردوں

پر نظر کرو، جنہوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گزار دی، ان کے مرتبے کیا تھے، شاہ

ولی اللہ صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ عبدالقادر صاحب مولوی محمد ابراہیم صاحب اور تہا بے بزرگوں

میں خواجہ احمد صاحب اور مولوی محمد امین صاحب مرحوم جن کی زندگی اور موت

۱۵ اس سے مراد مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آرومی مشہور اہل حدیث عالم ہیں، جو ہمارے ناہمید

شاہ ضیاء النبی صاحب کے مرید اور بڑے ربانی، حقانی عالم تھے، ان کا وعظ بڑا موثر اور وقت آمیز

ہوتا تھا، ان کے ایک وعظ سے ہمارے خاندان کے نوجوانوں کی بڑی اصلاح ہوئی اور ان کی

کایا پلٹ گئی، ۶ رذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

۱۵ یعنی مولانا سید خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی جو حضرت سید احمد شہید کے بیک واسطہ خلیفہ

اور حضرت شاہ ضیاء النبی اور مولانا حکیم سید فخر الدین صاحب کے شیخ و مرشد تھے،

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

اس وقت قابل رشک ہوئی، اس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی، اور  
 کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی، یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو سکتے ہیں،  
 انگریزی مرتبہ والے تمہارے خاندان میں سب ہیں، اور ہوں گے، مگر اس  
 مرتبہ کا کوئی نہیں، اس وقت بہت ضرورت ہے، ان کو انگریزی سے کچھ  
 انس نہ تھا، یہ انگریزی میں جاہل تھے، یہ مرتبہ کیوں حاصل ہوا، علی! اگر میرے  
 سوا اولادیں ہوتیں تو میں یہی تعلیم دیتی اب تم ہی ہو، اللہ تعالیٰ میری خوش نصیبی  
 کا پھل دے کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں اور میں دارین میں  
 سرخرو اور نیک نام ہوں اور صاحب اولاد کہلاؤں، آمین ثم آمین یا رب العالمین  
 میں خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں بہت اور شوق دے  
 وہ خوبیاں حاصل کرنے کا اور تمام فرائض ادا کرنے کی توفیق دے آمین  
 اس سے زیادہ مجھے کوئی خواہش نہیں البتہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان مرتبوں کو  
 پہنچائے اور ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

علی! ایک نصیحت اور کرتی ہوں بشرطیکہ تم عمل کرو، اپنے بزرگوں کی

(باقی صفحہ ۵۲ کا) توجید و سنت کی اشاعت اور اصلاح و تربیت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا،

۱۳۸۹ھ میں انتقال ہوا۔

۳۷ مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی مراد ہیں، جن سے صنلع رائے بریلی سلطانپور پرتاب گڑھ  
 اور ان کے نواح میں بڑی اصلاح اور شرک و بدعت کی بیخ کنی ہوئی، انتقال ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۲۹ھ میں ہوا

کتابیں کام میں لاؤ، اور احتیاط لازم رکھو، جو کتاب نہ ہو وہ عبد و کی رائے سے  
 خریدو باقی وہ کتابیں کافی ہیں، اس میں تمہاری سعادت مندی ظاہر ہوگی اور  
 کتابیں برباد نہ ہوں گی اور بزرگوں کو خوشی ہوگی، اس سعادت مندی کی مجھے  
 بے حد خواہش ہے کہ تم ان کتابوں کی خدمت کرو۔

ان کی سب سے بڑی خواہش اور فکر یہ تھی کہ میں اپنے بڑے بھائی کے اشاروں پر چلوں  
 اور ان کی ہدایات پر آنکھ بند کر کے عمل کروں وہ بجا طور پر ان کو ہمہ صفت موصوف اور  
 خاندان کی عظمت کا نشان سمجھتی تھیں، ہمارے خاندان میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب  
 کے ترجمے اور ان کی تفسیر موضع القرآن کو (جو ان کے قدیم تراجم کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے)  
 ہمیشہ اہمیت دی گئی اور اس کو ایک طرح سے عورتوں اور پڑھے لکھے مردوں کے نصاب  
 میں سمجھا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ بھائی صاحب کی تاکید کے باوجود میں نے روزانہ اس کے  
 پڑھنے اور دیکھنے سے غفلت برتی اور زیادہ تراوی اور سطحی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک  
 رہتا تھا، بھائی صاحب نے غالباً کسی خط میں والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی اس پر  
 والدہ صاحبہ نے ایک طویل خط لکھا جس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

”جب تم یہاں تھے، تو عبد و نے خاص طور سے لکھا تھا کہ شاہ عبدالقادر صاحب

لے اس سے مراد چھوٹا سا آبائی کتب خانہ ہے جس میں بہت سی قلمی اور مطبوعہ کتابیں بزرگوں کے زمانہ  
 سے چلی آرہی ہیں، اور والد صاحب اور بھائی صاحب کو ان کا بہت خیال رہتا تھا، اور میں اپنے بچپن اور  
 لاابالی طبیعت کی وجہ سے ان سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا۔

کا ترجمہ روز دیکھا کرو اور غور کیا کرو، مگر تم نے ان کے حکم کی تعمیل نہ کی میں تلاش کر کے لائی اور روز کہتی رہی تم ٹالتے رہے اور مکرر سکر کتابوں میں مشغول رہے، مجھے سخت ناگوار تھا، مگر اس قدر بد خیالی نہیں ظاہر تھی، اس خط کو دیکھ کر جس قدر مجھے تکلیف ہوئی، میں اکر نہیں سکتی، یوں تو اس وقت کی حالت دیکھ کر مجھے بھی اطمینان نہیں تھا، مگر اس وقت تمام امیدیں خوفناک صورت میں نظر آتی ہیں۔ علی ایہ نالائق تھی تمہاری سخت تکلیف دے رہی ہے، مجھے تم سے یہ امید تو نہ تھی مجھے یہ خیال تھا کہ تم اپنے رفیق بھائی کے بالکل ہم خیال اور فرمانبردار ہو اسی خیال سے مجھے اطمینان تھا، مگر افسوس ہے کہ ایسے بھائی جو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے اور اپنی تمام ہمت تربیت میں صرف کرنے کو تیار ہے، اس کی کوششوں کو ایچ سمجھ کر تمام حقوق کو بھول جاؤ اور لا پرواہی اور خود مختاری برتو، یہ وہ رفیق بھائی ہے، جس نے ایسے وقت میں تم پر ہاتھ دھرا کہ سوائے خدا کے کوئی نظر نہیں آتا تھا، میں تمہاری تعلیم کے لئے بللاتی تھی۔ وہ خود ہی پریشان تھے مگر خود ہی محنت گوارا کی، جو کچھ تمہیں حاصل ہوا انہیں کے فیض سے دیکھو یہ علم ہے عمل اسے کہتے ہیں، تم ادب میں ہزار بڑھ جاؤ تو عجب و کامقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ خوبیاں تم پیدا کر سکتے ہو، کیونکہ اس وقت کے خیالات یہ موقع ہی

---

لے عربی ادب جس کی تعلیم راقم الحروف نے خلیل عرب صاحب سے پائی تھی، اور اس میں کمال پیدا کرنے کا شوق غلو کی حد تک تھا۔

کب دیں گے عبد و ایسا عالم اور قابل شخص اگر اس وقت میں دیکھنا چاہو تو  
 نہیں پاسکتے، تمہارے خاندان کی ہر خوبی کا نشان عبد وہی ہے۔  
 آگے چل کر تعلیم میں انہماک، جفاکشی اور قدیم طالب علمانہ صفات کی تلقین کرتے ہوئے  
 لکھتی ہیں۔

تمام باتوں کا شوق بے کار سمجھو، شوقین مزاج والوں سے دھسپا نہ رکھو  
 طالب علموں کو صرف پڑھنا چاہئے، کپڑے پھٹے ہوں یا جوتے کچھ شرم کی بات  
 نہیں، بلکہ فخر کرنا چاہئے یہ حالت فلاح بہبودی کا باعث ہوتی ہے، انہیں  
 تکلیفوں میں علم کی قدر ہوتی ہے، عقلمند اور خوش نصیب وہ ہے جو نایاب چیز  
 حاصل کرے، وہ کیا ہے، شریعت کی پابندی، اس وقت کا علم عام ہے،  
 یہ ہر کسی کو میسر ہے، دو چار کتابیں لے لیں بس قابل ہو گئے، ہزاروں خطے  
 پیش نظر رہتے ہیں، یہ خط اگر دل چاہے، غور سے دیکھنا اور اکثر اس پر  
 نظر ڈالتے رہنا۔

ایک اور خط میں علوم دینیہ اور عربی تعلیم پر پوری توجہ صرف کرنے میں امتیاز  
 پیدا کرنے اور علمائے سلف کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

”اب عربی میں محنت کرو، مگر بے قاعدہ نہیں، صحت کا ضرور خیال رکھو،  
 تندرستی ہے تو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے، اگر تم اتنی محنت عربی میں کرتے تو  
 آج بہت کچھ حاصل ہو جاتا، توجہ کر کے جو کتابیں باقی ہیں، پوری کر لو اور جہاں تک

اس زمانہ میں اپنے بے قاعدگی اور بے اعتدالی کیساتھ انگریزی کتابیں پڑھنی شروع کی تھیں جن سے صحت اور آنکھ پر بہت اثر پڑا تھا



مکن ہوا گلے علماء کی سی لیاقت پیدا کرو، وہی معلومات حاصل کرو کہ کوئی بات  
 شریعت کے خلاف نہ ہو اور تمام مسکوں سے بخوبی واقف ہو جاؤ، اس وقت  
 اسی علم کی ضرورت ہے، اس وقت کے علماء کچھ نہیں جانتے اور فتنہ پیدا کرتے  
 ہیں، میری دلی تمنا ہے کہ تم علم میں وہ مرتبہ حاصل کرو جو بڑے بڑے علماء  
 نے حاصل کیا جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں، کان مشتاق ہیں،  
 دل شوق میں مٹا جاتا ہے، علی! اس سے زیادہ کوئی خواہش نہیں اللہ تعالیٰ  
 سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں وہی خوبیاں عطا کرے کہ وہی وقت آجائے: آمین!

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتی ہیں:

• علی! مجھے خدا کی رحمت سے یہ امید قوی ہے کہ تم کسی کے مرتبہ اور کامیابی  
 کا اثر نہ لوگے، کیونکہ یہ عام ہے، اور فنا ہونے والی، قابل رشک وہ ہے جو ہزار  
 میں ایک کو ملے اور پھر خدا کی طرف سے ہوع

قسمت کیا ہر شخص کو قسام ازل نے

جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

تمہیں اس پر فخر کرنا چاہئے، نہایت ہمت اور قوت سے کرنا چاہئے، خدا سے  
 دعا کرتی ہوں کہ تمہیں اس سے ایسی دلچسپی پیدا کرتا رہے کہ تمام خوبیوں پر  
 ترجیح دیتے رہو، اگر تمہیں جچی ملتی، یا اور کوئی مرتبہ حاصل ہوتا جو عام ہے، تو  
 مجھے اس کے ساتھ ہزار خطرے پیش نظر رہتے، اس نے مجھے تمام برائیوں سے

محفوظ رہنے کے لئے ایسی بہتر صورت پسند کی جو خود حافظ اور نگہبان ہوگا۔  
میری فکر کی کوئی ضرورت نہیں، بجائے فکر کے میرے دل کو ہر وقت وہ خوشی حاصل  
ہوتی ہے، جو کسی ذی مرتبہ کو حاصل نہیں ہے۔

ان کی بڑی خواہش تھی کہ میں خالص دینی وعظ کہنے اور اللہ و رسول کے احکام  
سنانے کے قابل بنوں اور لوگوں کو دینی نفع پہنچانے، اسی خط میں فرماتی ہیں۔  
تمہیں انشاء اللہ رمضان میں وعظ کہنا ہوگا، تیار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ میری  
خواہش پوری طور سے پوری کرے۔ آمین۔

## میرے طویل سفر اور والد کا ایثار اور دین کی خاطر قربانی و مجاہد

والدہ صاحبہ کے لئے سخت مجاہدہ اور امتحان بلکہ جہاد اکبر میرے طویل سفر  
تھے جو اللہ تعالیٰ کی بہت سی معلوم اور نہ معلوم حکمتوں کی بنا پر گویا میرے لئے مقدر  
ہو چکے ہیں، جس سرِ ایا شفقیت اور کمزور دل کی ماں کا یہ حال ہو کہ لکھنؤ میں ہونے کے  
باوجود بھی اگر خط میں دیر ہو تو بے چین ہو جائیں اس کے لئے ملک اور ملک سے باہر کے  
طویل طویل سفر اگر جہاد اکبر نہیں تو اور کیا ہے، شاید اللہ تعالیٰ نے اسی میں ان کو جہاد کا  
بہت کچھ ثواب دے دیا ہو۔

عالمی ۱۹۳۱ء میں حضرت میرا لانا احمد علی صاحب سے تفسیر پڑھنے کے شوق میں  
اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لئے لاہور گیا، وہاں سے قادری سلسلے کے

ایک بڑے بزرگ جو خود حضرت مولانا احمد علی صاحب کے شیخ تھے حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب  
دین پوری کی زیارت اور ملاقات کے لئے پنجاب اور سندھ کی سرحد خان پور جانے کا  
ارادہ کیا، اور والدہ صاحبہ کو اس ارادہ کی اطلاع کی اس کے جواب میں انھوں نے  
تحریر فرمایا۔

تم نے سندھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے، اس سے فکر ضرور پیدا ہو گئی  
نہیں معلوم وہ کدھر ہے، اور وہاں کے حالات کیا ہیں، اور کتنے روز رہنا ہوگا  
اگر عید و اور طلحہ کی رائے ہے تو مناسب ہے مگر تم کل حالات سے اطلاع  
دو تو بہتر ہے کہ اطمینان ہو جائے، اللہ تعالیٰ تمہیں پوری کامیابی حاصل  
کرائے بس یہی آرزو ہے، یہی وجہ تھی جو اس دور دراز سفر کو تمہارے لئے  
گوارہ کر لیا، ورنہ ایسے دل والوں کے لئے سخت دشوار اور ناممکن تھا  
منظور کرنا، میں تمہیں اس کی حفاظت میں دے چکی، وہی خوب حفاظت کرنے  
اور ساتھ دینے والا ہے میں کیا کر سکتی ہوں۔

ترے محفوظ کوئی ضرر پہونچا نہیں سکتا  
عناصر چھو نہیں سکتے فلک دھمکا نہیں سکتا

بس یہ کہہ کر دل کو سمجھا لیتی ہوں اور پورا یقین ہے، اس کی رحمت پر اللہ تعالیٰ  
سے ہر وقت دعا ہے کہ وہ تمہیں توفیق دے نیک کاموں کی اور علوم دین  
کے پورے مرتبہ کو پہونچائے اور ثابت قدم رکھے کہ دنیا اور آخرت

میں نیک نام ہو۔

اس کے بعد تو سفروں کا نانا تائبندھ گیا اور بیرون ملک کے وہ سفر شروع ہوئے جن میں سے بعض میں ایک سال سے زیادہ مدت لگ گئی، اس عرصہ میں مصر و شام و حجاز کے پتے پر ان کے جو خطوط آئے وہ شفقت مادی اور قوت ایمانی دونوں کا ایک لکشن مرقع ہیں، طوالت کے خوف سے ان خطوط کے اقتباسات پیش نہیں کئے جاتے۔

## دعوت و تبلیغ کا ذوق

۱۹۲۰ء (۱۳۵۹ھ) میں میری حضرت مولانا محمد ایاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی حاضری ہوئی یہاں سے میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، یہ گویا ایک نئی دنیا کی دریافت تھی، اور ایک نئی شخصیت اور حقیقت کا انکشاف، دہلی سے واپسی پر میں نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جو زیادہ تر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس اور طالب علم تھے، لکھنؤ اور اس کے قرب و جوار میں تبلیغی جماعت کے اصول پر اور حضرت مولانا محمد ایاس صاحب کی روحانی سرپرستی میں ٹوٹا پھوٹا تبلیغی کام شروع کیا اس سے سب سے زیادہ خوشی والدہ صاحبہ اور بھائی صاحب کو ہوئی، دونوں کا اصل ذوق اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا دین کی اشاعت اور تبلیغ و دعوت کا کام تھا، کچھ عرصہ کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والدہ صاحبہ کو میرے کسی خط یا کسی کی گفتگو سے ایسا احساس ہوا کہ وہ پہلا سا ذوق و شوق نہیں رہا، اس پر انھوں نے اپنی فکر مندی کا اظہار کیا، اسی زمانہ کے

ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں:

”تبلیغ میں کوشش کرتے رہو کہ ترقی ہو، ابتدا میں جو جوش اور شوق تھا  
 نہیں، بعد و کو بھی اس میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے یہ ضرور ہے کہ ابتدائی حالت  
 نہیں رہ سکتی، مگر سلسلہ جاری رہے تو شوق کبھی بڑھتا ہے گا، اللہ تعالیٰ سے  
 یہ دعا ہے کہ تم سے وہ کام کروائے جو اپنے نیک اور مقبول بندوں  
 سے کروائے ہیں، اور تکبر اور غرور، ریا سے بچائے اور تمہاری ترقی و  
 کامیابی قابل رشک ہو، آمین، اللہ تعالیٰ میری دعائیں سب قبول کرے، آمین

## مولانا محمد الیاس صاحب کا ایک مکتوب

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے کام سے میرا ربط  
 برابر بڑھتا گیا اور قدرتا گھر میں ان کا اور ان کی بزرگی کا تذکرہ بھی ہر وقت رہنے لگا، خود  
 میں اپنے خطوط میں یا زبانی گفتگو میں والدہ صاحبہ اور بھالی صاحب کی اس کام سے  
 خوشی اور ان کی پسندیدگی کا تذکرہ بھی وقتاً فوقتاً کرتا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب  
 کے بعض خطوط میں اس پر سرت اور اطمینان کا اظہار فرمایا گیا ہے، اور بلند الفاظ میں  
 والدہ صاحبہ کا تذکرہ ہے، ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”جناب کا اور برادر محترم اور سب سے بڑھ کر حضرت عالیہ مخدومہ محترمہ

جنابہ والدہ صاحبہ کا اس کو قبولیت کی نظر سے توجہ فرمانا یہ جناب کی

خوبی کی شہادت اور طبیعت کی موزونی کی خبر دے رہا ہے، اور مجھ ناچیز  
 تھی دست کے لئے ایک مبارک دامن تلے آنے کی جھلک دکھلا رہا ہے،  
 اسی قدر اس کام کے لئے اپنے معدن میں پہنچنے کی امید دلا کر دنیا میں  
 کچھ قیام کرنے اور جڑ پکڑنے کی امید دلا رہا ہے، اللھم اصنع بنا ما انت  
 اھلہ ولا تصنع بنا ما نحن اھلہ، حضرت والدہ صاحبہ کو میرا سلام  
 بھی تحریر فرمادیں اور دعا کے لئے درخواست فرمادیں!

حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت ارادت اور

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تجدید بیعت

یہ تعلق یہاں تک بڑھا کہ (جولائی ۱۹۴۳ء) رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت مولانا  
 میری ناچیز دعوت اور خواہش پر رفقار اور خدام کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنؤ  
 تشریف لائے، اور پورا ایک ہفتہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں قیام فرمایا  
 مزید کہم اور ذرہ نوازی یہ فرمائی کہ ہمارے وطن دائرہ حضرت شاہ علم الہدایے بریلی  
 (۲۵ جولائی ۱۹۴۳ء) ۲۲ رجب ۱۳۶۲ھ بروز اتوار قدم رنجہ فرمایا حضرت  
 شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت حافظ فخر الدین صاحب پانی پتی اور  
 چند اور رفقار ساتھ تھے والد صاحبہ اس وقت تک کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوئی تھی

لہ مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ صفحہ ۲۱، ۲۲ (مطبوعہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی)

ایک خواب کی بنا پر جس میں ان کو خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بیعت میں قبول فرمایا ہے، انھوں نے خود اپنے والد ماجد سے جو شیخ کامل تھے بیعت کی ضرورت نہ سمجھی، لیکن اس موقع پر ان کے دل میں بیعت کا تقاضہ پیدا ہوا، اور انھوں نے مجھ سے اس کا اظہار کیا، میں نے مولانا سے عرض کیا، مولانا نے نماز استخارہ کے بعد فوراً ہی اس کو قبول فرمایا، اور والدہ صاحبہ دوسری عزیز مستورات کے ساتھ داخل بیعت ہو گئیں، مولانا کی زندگی تک یہ تعلق و ربط قائم رہا۔

مولانا کی وفات کے بعد لکھنؤ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی کسی آمد کے موقع پر جو ہمارے یہاں برابر ہوتی رہتی تھی، تجدید بیعت کی، ہمارا گھر تقریباً پورا اس وقت تک مولانا مدنی ہی سے بیعت تھا، اس لئے اس کا خیال پیدا ہونا خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد کچھ خلافت قیاس نہیں۔

## سفر حج و زیارت

۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت شیخ الحدیث نے میرا حجاز بسلسلہ دعوت و تبلیغ جانا تجویز فرمایا مجھے اس وقت تک حج کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ والدہ صاحبہ، اہلیہ اور ہمیشہ کو کبھی ساتھ لے جاؤں اور اپنے رفیق و معاون کے طور پر میرے

بڑے بھانجے عزیز می مولوی محمد ثانی سلمہ بھی ساتھ ہوں، ہمارے خاندان میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں اور سعادتوں کے باوجود حج کا سلسلہ عرصہ تک بند تھا آخری فرد خاندان ہوج سے مشرف ہوئے وہ میرے بھائی صاحب تھے جنہوں نے ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۶ء) میں حج کیا، والد صاحب اور ہمارے خاندان کے دوسرے افراد کو مختلف معذوریوں کی بنا پر شدید تمناؤں کے باوجود یہ موقع نہ ملا تھا۔

(۷ شعبان ۱۳۶۶ھ بروز پینچشنبہ (۲۶ جون ۱۹۴۷ء) میں ہمارا چھوٹا سا قافلہ جو پانچ افراد پر مشتمل تھا، کراچی کے راستہ حجاز کو روانہ ہوا، کراچی میں تبلیغی جماعت کے اہم کارکن اور کراچی کے بڑے تاجر حاجی عبدالجبار صاحب نے اپنے بڑے بھائی حاجی عبدالستار صاحب دہلوی کی کوٹھی پر ہمارے قیام کا انتظام کیا اور ان کے سائے گھرنے میںزبانی کا حق ادا کیا گیا۔ روز کراچی قیام رہا پھر اسلامی جہاز سے ہم لوگ حجاز روانہ ہوئے، ایک ممتاز تبلیغی جماعت ساتھ تھی، والدہ صاحبہ اہلیہ اور ہمیشہ فرسٹ کلاس کے کیمین میں تھیں اور ہم دونوں ٹیک کے مسافر تھے۔

اس سفر میں قدم قدم پر جو غیبی مددیں جو بے سان و گمان آسانیاں جو راحت کے سامان، جو رفقاے جہاز کی انوت و محبت جو سر زمین حجاز پر خدا کی مددیں اور دست گیریاں ہوئیں، ان کو میں والدہ صاحبہ کی مقبولیت اور ان کی ضعیفی اور کبریٰ پر رحم و کرم کا نتیجہ سمجھتا ہوں، ایسے ذوق و شوق کا سفر اور ایسی کھلی مددیں اس کے بعد کے سفروں میں بڑے متعدد بار پیش آئے کتر ہی دیکھنے میں آئیں۔ ذلک فضل اللہ



یوتیہ من یشاع و اللہ ذو الفضل العظیمہ

جدہ عین اس دن پہنچنا ہوا جس دن رمضان کا چاند دیکھا گیا، دو روزے  
 جدہ میں رکھ کر رمضان کی شب میں ہم لوگ مدینہ طیبہ روانہ ہوئے، مولانا محمد منظور صاحب  
 کی کتاب "آپ حج کیسے کریں" میں اپنے مضمون "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" میں اس سفر کے  
 کچھ حالات لکھ چکا ہوں یہ وہ سفر تھا۔ جو والدہ صاحبہ کی ہجر کالی میں ہوا، اللہ کا  
 فضل خاص تھا کہ مدینہ کا رمضان نصیب ہوا، شوال کا مہینہ بھی وہیں گزرا، ۲۰ رذیٰ قعدہ  
 کو ہم لوگوں نے حج کا احرام باندھا، باب النساء کے بالکل سامنے مدرسہ علوم شریعہ کے  
 ایک دو منزلہ مکان میں ہم لوگوں کا قیام تھا مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی  
 مولانا سید محمود صاحب کی مہربانی سے یہ دو منزلہ مکان پورا ہم لوگوں کو ملا ہوا تھا،  
 والدہ صاحبہ کی پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں ہی ہوتی تھیں، ایک  
 شب احد میں مولانا سید محمود صاحب کے مکان میں گزری اور دن بھر وہاں رہنا ہوا۔  
 مکہ معظمہ میں حج سے پہلے رباط ٹونک اور حج کے بعد مدرسہ فخریہ میں جو باب براہم  
 پر حرم شریف ہی میں داخل تھا قیام رہا، طواف اور نمازوں میں بڑی سہولت تھی،  
 عرفات میں والدہ صاحبہ سب لگ ہو کر برابر دعا اور مناجات میں مشغول رہیں، تبلیغی  
 رفقاہ بالخصوص مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی اور مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری  
 کی رفاقت و معیت سے ہمارے قافلہ کو بڑی ہی راحت پہنچی حج کے بعد مکہ معظمہ میں  
 باطمینان رہنے کا موقع ملا، غالباً تین مہینے وہاں گزرے۔

## واپسی

ہم لوگ مدینہ طیبہ ہی میں تھے کہ ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی اور پاکستان بنا، کشت و خون اور لرزہ خیز واقعات کی اطلاعات برابر پہنچ رہی تھیں، ہندوستان کے مسلمانوں اور اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ہم سب کا دل لگا ہوا تھا، یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ہم کن کن کو زندہ اور سلامت دیکھیں گے اور کس سے اب قیامت ہی میں ملنا ہوگا۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہم لوگ ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، بھائی صاحب کی ہدایت کے مطابق ہم لوگ کراچی نہیں اترے (جہاں سے ہم لوگوں نے سفر شروع کیا تھا) بلکہ بمبئی آئے اور وہاں سے جیسا کہ اس زمانہ میں انتظام تھا، مسلح پولیس کی حفاظت میں اس ڈبہ میں جو مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا، ہم لوگ لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے، لکھنؤ پہنچ کر احمد اللہ اپنے سب عزیزوں اور دوستوں کو بخیریت پایا اور سب کی خیریت کی خبر سنی۔

## لکھنؤ اور رائے بریلی کا قیام

جج سے واپسی کے بعد والدہ صاحبہ کا قیام زیادہ تر رائے بریلی رہنے لگا، کبھی بھائی صاحب کی خواہش پر لکھنؤ آ کر ہفتوں اور مہینوں قیام کرتیں، ۲۱، رزی قعدہ ۱۳۸۰ھ بروز یک شنبہ (۷ مئی ۱۹۶۱ء) میں بھائی صاحب کا لکھنؤ میں انتقال ہوا،

یہ حادثہ والدہ صاحبہ کے لئے ضعیفی میں بہت سخت اور جانگاہ تھا، والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ سب سے بڑا صدمہ تھا جو انکھوں نے برداشت کیا، اس کے بعد سے اب قیام گویا مستقل رائے بریلی ہی ہو گیا، لیکن اسی سال ربیع الآخر ۱۳۸۱ھ (ستمبر ۱۹۶۱ء) میں وطن میں سخت سیلاب آیا، گھروں تک کے اندر پانی آ گیا، مجبور ہو کر ہم سب لکھنؤ منتقل ہوئے اور تقریباً ایک سال وہاں رہنا پڑا، یہ والدہ صاحبہ کا آخری سفر تھا، جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ (اکتوبر ۱۹۶۲ء) میں لکھنؤ سے رائے بریلی واپسی ہوئی پھر اس کے بعد سفر آخرت ہی فرمایا، اور رائے بریلی سے باہر کہیں جانا نہیں ہوا۔

## سخن خیزی اور اوراد و وظائف کی کثرت

اب ضعف و کبر سن بڑھتی جا رہی تھی، ۱۹۳۱ء میں والدہ صاحبہ نے بھائی صاحب کے مشورے سے یکے بعد دیگرے دونوں آنکھوں کا موتیا بند کا آپریشن کرایا تھا، جو کامیاب رہا لیکن پڑھنے لکھنے کی مشغولیت اور ضروری احتیاطیں ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے چند سال کے بعد نظر بہت کمزور ہو گئی اور ۱۹۶۳ء میں تقریباً روشنی جاتی رہی، لیکن معمولات کی پابندی اور اوراد و وظائف اور دعا و مناجات کی مشغولیت میں اضافہ ہی تھا کمی نہ تھی، صرف قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا ممکن نہ تھا، مجھے جب سے ہوش ہے، میں نے ان کو تہجد کا پابند پایا، روز بروز سخن خیزی میں

اضافہ تھا، اور اس کا بہت زیادہ اہتمام تھا، ان کی اصل خوشی اور ذوق کا وقت وہی ہوتا تھا، باوجود اس کے کہ اکثر ان کی آنکھ خود کھل جاتی، الارم لگانے کا بڑا اہتمام رکھتیں گھڑی صحیح رکھنے اور طلوع و غروب کے صحیح وقت معلوم کرنے کا بڑا اہتمام تھا آخر میں ہم لوگوں کی کوشش رہتی تھی کہ ضعف اور مختلف قسم کی شکایتوں کی بنا پر وہ بہت پہلے سے نہ اٹھیں، مگر وہ نہیں مانتی تھیں، آخر میں مجھے تاکید تھی کہ جب میں صبح کی نماز کے لئے جانے لگوں تو ان کو بتا دوں روزانہ تقریباً یہ ہوتا تھا کہ جب میں کتا کہ صبح ہوگی تو وہ اس حسرت کے ساتھ پوچھتی تھیں کہ جیسے کچھ پہلے ہوگی، اور کچھ حسرت رہ گئی۔

## کبرنی اور معذوری میں انکی خدمت و تیمارداری

انہیں میں بطور خود نقل و حرکت بھی ان کے لئے دشوار ہو گئی تھی، بغیر سہارے کے ان کا چند قدم چلنا بھی مشکل ہو گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی اور عنایتوں کے ساتھ ان پر ایک خاص عنایت یہ تھی کہ ان کو ایسی سعادت مند فرما بنو اور خدمت گزار اولاد اور اولاد کی اولاد عطا فرمائی، جنہوں نے کسی لاچار اور بے بسی کا احساس ہی نہ ہونے دیا، ایک طویل عرصہ تک ان کی ایسی خدمت ہوئی جو بڑے بڑے باوجاہت اور صاحب حیثیت مردوں اور عورتوں کو نصیب نہیں ہوتی، ہر ایک ان کی خدمت کرنا اور ان کو وجہت پہنچانا اپنے لئے نہ صرف سعادت بلکہ عبادت سمجھتا تھا، اور دل و جان سے اس کے لئے حاضر تھا، میری دو بڑی بہنیں ہیں، اور دونوں برسوں سے ان کے قریب ہی بلکہ ان کے

س رہیں، ایک عزیزان مولوی محمد ثانی، محمد رابع اور محمد واضح سلمہم کی والدہ امۃ العزیزینا  
 و خود اور ان کی پوتیاں ہمیشہ خدمت کے لئے مستعد اور حاضر رہیں، دوسری بہن جو ماٹا شاہ  
 جو صاحب قلم اور شاعر ہیں، امۃ اللہ تسنیم صاحبہ "رضوان" کی ایڈیٹر اور "زادِ سفر" کی مصنفہ  
 والدہ صاحبہ کی خدمت و رفاقت کی سعادت کا سب سے بڑا حصہ انھیں کے نصیب میں آیا،  
 ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ اور وظیفہ والدہ صاحبہ کی خدمت، دیکھ بھال اور غلیل  
 ہوں تو تیمارداری رہی اور انھیں کو سب سے زیادہ طویل عرصہ تک اور مسلسل طریقے پر  
 اس کا شرف حاصل ہوا، ہم بھالی بہنوں میں سب سے زیادہ انھیں نے یہ دولت کمائی۔

## اسلام کے غلبہ و ردین کے فروغ کی آرزو

کبرنی کے باوجود جو اس اور سماعت میں ادنیٰ فرق نہیں آیا تھا، دل و دماغ  
 پورے طور پر اپنا کام کرتے تھے، بعض نئی باتیں تو بھول جاتی تھیں، اور جن کی نئی آمدورفت  
 شروع ہوئی تھی، ان کے ناموں کا تو کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا، لیکن پرانے لوگ ان کو  
 خوب یاد تھے، اور بعض ایسی ایسی چھوٹی پرانی باتیں یاد دلاتیں کہ حیرت ہو جاتی، غالباً  
 یہ ان کی خوش اوقات ہونے اور اوراد و وظائف کی برکت تھی کہ آخر تک صحیح انکو اس رہیں  
 اور دل و دماغ نے اپنا کام کرنا کبھی نہیں چھوڑا۔

اس زمانہ میں بھی ان کو اسلام کے غلبہ دین کے فروغ کی حدود و آرزو تھی، اس کی  
 ہر خبر سے ان کا رویاں رویاں تازہ ہو جاتا تھا، اور وہ اپنا عم بھول جاتی تھیں، ان کی کسی

دین کی حمیت اور اس کے غلبہ کا شوق میں نے اچھے اچھے مردوں میں نہیں دیکھا، ہر وقت اسی کی دھن اور اسی کی فکر رہتی تھی، کبھی کبھی اس لحاظ سے ان کے اندران کے شیخ اول حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی جھلک نظر آنے لگتی تھی، بہت بے چین ہوتی تھیں تو اشعار میں اپنے اس جذبہ اور آرزو کا اظہار کرتی تھیں، خود لکھ پڑھ نہیں سکتی تھیں، عزیز محمد ثانی کی لڑکی، یا ہمشیرہ کو لکھوادیتیں، دشمنان اسلام سے اور اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے والوں سے (جن کا تذکرہ مجلس میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا) سخت نفرت تھی اور ان پر ان کو سخت غصہ آتا تھا، اور یقین ہے کہ ان کے لئے ہدایت کی دعائیں یا ہلاکت کی بددعائیں بھی کرتی ہوں۔

میرے لئے ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ مجھ سے دین کی تقویت اور اسلام کی اشاعت ہو، کبھی کبھی مجھ سے پوچھتیں، علی! تمہارے ہاتھ پر کبھی کوئی مسلمان بھی ہوا ہے؟ میں کہتا کہ ہاں، اگا دکا کبھی کسی نے کلمہ پڑھا ہے، فرماتیں کہ یہ آرزو ہے کہ جماعت کی جماعتیں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہوں، ایک روز بڑی ٹھنڈی سالس لے رہی تھیں، چھوٹی ہمشیرہ نے کہا کہ آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کی خواہش ہے کہ علی نبی ہو جائیں؟ فرمایا کہ کیا میں نہیں جانتی کہ نبوت ختم ہو گئی، میری آرزو ہے کہ ان کے ہاتھ پر جماعتوں کی جماعتیں اسلام لائیں اور دنیا میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسلام کا ڈنکا بج جائے۔

## سنت کی پیروی اور دنیا سے بیزاری

آندھی بلکہ تیز ہوا، سخت بارش اور چمک گرج سے ان کو بڑی وحشت اور گھبراہٹ ہوتی تھی، اور فوراً وہ ایسے موقع پر کونے میں چلی جاتیں اور دعائیں مشغول ہو جاتیں، اس میں بھی غیر اختیاری طور پر ایک سنت کی پیروی تھی، عمر جتنی بڑھتی جاتی تھی، اور دنیا کے حالات و اوقات سننے میں آتے تھے، ان کو اپنے اس وقت تک زندہ رہنے، اور ان حالات کے دیکھنے پر سخت رنج اور فکر رہتی تھی، لیکن مرضی الہی پر صابر و شاکر رہتی تھیں، اکثر ٹھنڈی سانس لے کر فرماتی تھیں کہ یہ معلوم نہ تھا کہ میں ان حالات کے دیکھنے کے لئے زندہ رہوں گی، معلوم نہیں اللہ کو اور کیا منظور ہے، اور کیا کیا دیکھنا باقی ہے، قرب قیامت کے فتنوں سے ساری عمر ڈرتی رہیں، ابتدائے عمر میں علامات قیامت اور آثار محشر کے متعلق جو کچھ سنا اور پڑھا تھا وہ دل پر نقش تھا، اور ایک ایک حرف پر یقین، ان فتنوں سے اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کی ہر وقت فکر رہتی تھی، اور اس کے لئے دعائیں کرتی تھیں۔

جمہ کے دن بہت پابندی سے سورہ کہف کے پڑھنے کا معمول تھا جس کے پڑھنے کی حدیثوں میں بہت فضیلت آئی ہے، اور اس کو فتنہ و جال سے حفاظت کے لئے تریاق بتایا گیا ہے، مجھ سے کبھی اس کی بڑی تاکید کرتی تھیں، اور وقتاً فوقتاً پوچھتی رہتی تھیں کہ پڑھتے ہو کہ نہیں؟

## محبوب ترین مشغلہ

اس زمانہ میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور ان کا محبوب معمول قرآن مجید کے ان رکوعوں، آیات، اسما حسنیٰ اور درود شریف کے ان خاص صیغوں کو پڑھ کر جن کے خاص فضائل اور برکات کتابوں میں یا ان کے تجربے میں آئے تھے اپنے سب چھوٹوں اور گھر والوں پر دم کرنا تھا، پڑھنے میں تقریباً ان کو پون گھنٹہ، گھنٹہ لگ جاتا تھا، پھر دم کرنے کا ایک طویل سلسلہ رہتا تھا، اخیر میں وہ بہت ضعیف و نحیف ہو گئی تھیں، لیکن معمولات کے پورا کرنے اور اوراد کے پڑھنے میں خدا جانے کہاں سے طاقت آجاتی تھی، کہ وہ قوی اور تندرست معلوم ہوتی تھیں، چند دن کی بات ہے کہ میں اور میرے بھانجے بھتیجے بیٹھے ہوئے تھے، اور وہ پڑھ رہی تھیں، ہم لوگوں نے کہا کہ یہ قوت معلوم نہیں کہاں سے آرہی ہے؟ یہ محض روحانیت ہے، دم کیا ہوا پانی بھی ہمیشہ رکھا رہتا تھا، اور نزدیک دور کے مریض اور اہل حاجت آکر برابر لے جاتے تھے، اور اس کے نفع اور خدا کی دی ہوئی صحت و برکت کا ذکر کرتے تھے۔

ہر مرتبہ جب کسی بیماری کا حملہ ہوتا تو ہم لوگ سمجھتے تھے کہ یہ چراغِ سحری اب بجھا، جسم میں مقابلہ کی کوئی طاقت باقی نہ رہی تھی، صرف ایک لقلین، ذوق اور اللہ کے نام کی برکت تھی کہ وہ اپنے معمولات اور اذکار بہت پابندی سے پورا کرتی تھیں جو دن گذر رہا تھا، ہم اس کو غنیمت سمجھتے تھے، میرا یہ حال تھا کہ میں کبھی ان کی عمر کا حساب نہیں کرتا تھا، اور



نہ کسی کو کرنے دیتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ سایہ اور ماں کے پاؤں تلے کی یہ جنتیہ ہمارے گھر میں جتنے دن رہے اللہ کی عنایت اور مہربانی ہے۔

## میرا سفر بھوپال اور والدہ کا ایشیا

بالآخر جس کا ڈرن تھا اور جو ناگزیر ہے، وہ گھڑی پیش آگئی، ۲۳ اگست ۱۹۶۸ء کو جب وہ بیماری کے ایک ہلکے حملہ سے سنبھلیں تو میں نے عرض کیا کہ وہی اور بھوپال کے ایک سفر کی ضرورت ہے، لیکن سب سے مقدم آپ کی خوشی اور رضا مندی ہے، میں نے محذرت کا خط بھی دہلی لکھ دیا تھا، لیکن ان کی طبیعت میں افاقہ دیکھ کر ذکر نامناسب سمجھا، یہاں کے لئے سب سے بڑا مجاہدہ تھا، لیکن انہوں نے اپنے کو سنبھال کر جواب دیا کہ اللہ نے تم کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے، اس کے لئے جاؤ، مگر کب تک آ جاؤ گے؟ میں نے کہا کہ اگلے جمعہ کو ضرور اور نہ سنیچر میں تو فرق نہیں ہوگا (میری روزیے جس دن ان کی وفات ہوئی) فرمایا اچھا جاؤ چلتے وقت مجھے معمول کے مطابق رخصت کیا اور الفاظ قرآنی اور ادعیہ مانورہ پڑھیں۔

## مرضی موت اور ایک مبارک خواب

۲۸ اگست کی صبح کو عزیز می محمد ثانی کا تار بھوپال میں ملا کہ نانی صاحبہ کی طبیعت

لہ حدیث میں آتا ہے: الجنة تحت اقدام الاموات۔

اچھی نہیں، آپ جلد واپس آجائیے، جس پریشانی کے عالم میں وہاں سے واپسی ہوئی، خدا وہ پریشانی پھر نہ دکھائے، سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ میں ان کی زندگی میں پہنچ جاؤں، بھائی صاحب کی تدفین تک میں نہ شریک ہونے کا داغ عمر بھر رہے گا، موت برحق ہے، کسی نہ کسی دن یہ واقعہ پیش آنے والا ہے، اس کو ٹالا نہیں جاسکتا، اللہ نے فضل فرمایا کہ میں پچھنبہ ۲۹ اگست کی صبح کو راسے بریلی پہنچا، معلوم ہوا کہ میری روانگی کے ایک روز بعد ہی رات کو جب تہجد کے لئے اٹھیں اور پیشاب کے لئے چوکی پر بٹھایا گیا تو اندھیرے اور نیند میں اندازہ نہیں ہوا، ہاتھ چھوڑ دیا گیا اور گریں شانہ اور کلائی کی ہڈی پر ضرب آئی۔

تار سے..... ان کو میری روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی، اور اس سے ان کو بڑی خوشی ہوئی تھی، میں جب پہنچا تو فرمایا کہ آدھی قوت آگئی، سلام کیا، قریب بلایا اور فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ "میرے جسم کے روئیں روئیں سے اللہ کی حمد و ثنا نکل رہی ہے، اور عجب سرور و ذوق ہے" میں نے کہا کہ یہ خواب تعبیر کا محتاج نہیں، بہت مبارک ہے، جمعہ بھی کسی قدر غنیمت گذرا، لیکن ہڈی کی تکلیف زیادہ تھی۔

## سفر آخرت

سینچر کی رات بے چینی سے گزری، ظہر کی نماز ہوئی و جو اس کے ساتھ پڑھی، اور انگلی پر ذکر شروع کر دیا، اس کے بعد ہی سفر آخرت کی منزل شروع ہو گئی اپنی تین مہر

بمنوں کا نام لے کر کہا کہ وہ لکھنؤ آگئیں، اس کے بعد ہی نزع کی کیفیت شروع ہو گئی، سانس سے اسم ذات اللہ، اللہ کی آواز آنے لگی، جب یہ آواز موقوف ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ ہم سب لوگوں کو چھوڑ کر اپنے اس خالق و مالک کے پاس پہنچ گئیں جس کا ساری عمر نام لیتی رہیں، اور اس کے در رحمت پر ہمیشہ دستک دیتی رہیں۔

یَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي  
إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً فَاَدْخُلِي  
فِي عِبَادِي وَاَدْخُلِي جَنَّتِي  
اَلْفَجْرِ ۳۰-۲۷)

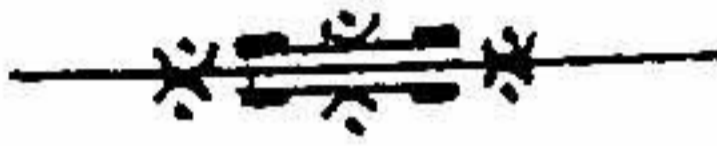
اے وہ جی جس نے چین بکڑ لیا پھر چل اپنے رب  
کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی  
پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو  
میری بہشت میں۔

اگلے روز اتوار ۷ جمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ یکم ستمبر ۱۹۶۸ء کو صلحاء، علماء، طلباء، اور تبلیغی جماعت کے افراد کے ایک بڑے مجمع نے نماز جنازہ پڑھی اور والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو اور شیخ المشائخ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ کے پانٹی ہمیشہ کے لئے آسودہ خاک ہو گئیں، پورے ۷۴ سال کی مفارقت کے بعد اپنے باکمال شوہر اور رفیق زندگی سے جا ملیں، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک اسی مہینے جمادی الآخرہ (۱۳۲۱ھ) میں والد ماجد نے انتقال کیا تھا۔

ملک اور بیرون ملک سے تعزیت کے جو خطوط آئے ہیں، ان سے دعائے مغفرت اور بہت وسیع پیمانے پر ایصالِ ثواب کی اطلاعیں ملیں۔۔۔ پیغمبرِ رگدان میں مشائخ وقت اور خدا کے مقبول بندوں کے تعزیت ناموں سے اللہ کی رحمت اور ان کی

مقبولیت کی امیدیں پیدا ہوتی ہیں۔

جو بیدیاں اور جو مرد اس مضمون کو پڑھیں ان سے بھی درخواست ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب سے دریغ نہ فرمائیں کہ دنیا سے جانے والے کو سب سے زیادہ اسی کی ضرورت اور اسی سے خوشی ہوتی ہے اور ہر چھوٹا بڑا اس کا محتاج ہے۔



زندگی کے آخری ایام

مولوی محمد ثانی حسنی



## زندگی کے آخری ایام

نانی صاحبہ (سیدہ خیر النساء صاحبہ) زندگی کے آخری برسوں میں بالکل معذور ہو گئی تھیں، آنکھوں سے کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا، صرف روشنی کا احساس ہوتا، اور ہلکی سی پرچھائیں نظر آتی تھی، لیکن ذہن و دماغ پوری طرح کام دیتے تھے، پیروں کی طاقت بالکل جواب دے چکی تھی، رفح حاجت یا کسی سخت ضرورت پر اگر کہیں جانا ہوتا تھا تو سہارے سے لے جالی جاتی تھیں باوجود اس ضعف و نقاہت اور کبرسنی کے کہ عمر نوے سے تجاوز کر گئی تھی، ذکر الہی اور تلاوت قرآن، نوافل کی ادائیگی کا بڑا اہتمام تھا، ان کے پاس خاندان کی بیبیاں، لڑکیاں اور عزیز واقارب برابر آتے جاتے اور ان کی خدمت میں بیٹھ کر خیر و برکت حاصل کرتے۔

جہاں تک ہمارا علم اور مشاہدہ ہے، زندگی کے آخری شب و روز کے چند گھنٹوں کے سوا جو سونے میں صرف ہوتے تھے کوئی لمحہ یاد الہی یا دینی باتوں کے کہنے اور سننے کے علاوہ

نہیں گزرتا تھا، انہوں نے اب سے چالیس برس پہلے خدا کی جناب میں جو عرض کیا تھا، اور جو دعا مانگی تھی، وہ خدا نے بدرجہ اتم قبول کی، انہوں نے کتنے جذبہ سے عرض کیا تھا۔

جلنے کی تمنا ہے نہ مرنے کا مجھے غم ہے فکر تو یہ ہے تجھے بھولوں نہ کسی دم

چپ ہونہ زباں میری تری حمد و ثنا میں فرق آنے نہ پائے رہ تسلیم و رضا میں

جب تک کہ رہوں زندہ تری الفت کا بھروں دم بھولوں نہ تجھے میں مجھے رکھ یاد تو ہر دم

پھر ہی ہوا، تسلیم و رضا، محبت، کبریٰ، ذکر و عبادت تو ان کی خصوصیات و امتیاز

میں داخل ہو گئی، دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اتنے ضعف و نقاہت کے باوجود کیسے

معمولات پورے کرتی ہیں، اسی طرح بیٹھ کر تفصیل سے ہر ایک پر دم کرتیں اور ہر ایک

پر کئی کئی بار دم کرتیں، تسلیح ہر وقت ہاتھ میں رہتی اور زبان مصروف ذکر رہتی، کوئی آکر

اگر بیٹھ جاتا تو بہت خوش ہوتیں اس کا حال پوچھتیں، وہ دعا کی درخواست کرتا تو فوراً

دعا کرنے لگتیں۔

آخر میں مناجاتوں کے سننے کا شوق بہت بڑھ گیا تھا، انہوں نے اپنی زندگی

میں سیکڑوں مناجاتیں کہی تھیں، اور بعد میں یہ تک بھول گئی تھیں کہ ہم نے کب اور

کون سی مناجات کہی تھی، جب ان کے سامنے ان کی بھولی ہوئی کوئی مناجات پڑھی جاتی

تو بہت خوش ہوتیں۔

آخر میں معدہ نے جواب دے دیا تھا، جسم میں خون کی بے حد کمی تھی، کمزوری انتہا کو

پہنچ چکی تھی بیماری کے ذرا سے جھٹکے سے وہ نڈھال ہو جاتیں، آخری دنوں میں



بارمعدہ خراب ہوا تو حالت غیر ہو گئی اور لوگ پریشان ہو گئے، مگر خدا کے فضل سے  
 لہو کھولدی اور تھوڑی بہت ہشیاری آئی، اسی درمیان ماموں جی (مولانا سید ابوالحسن علی صاحب)  
 سفر بھوپال پیش آ گیا اور تذبذب میں پڑ گئے کہ سفر کرنا چاہئے کہ نہ کرنا چاہئے، ثانی صاحبہ  
 کی ایسی منزل میں پہنچ چکی تھیں کہ صبح و شام اس کا خطرہ رہنے لگا تھا کہ دیکھیں اب  
 ماہوتا ہے، اس لئے چند گھنٹوں کے لئے بھی ماموں جی کا غائب ہونا سب کو محسوس ہوتا  
 تھا، اسی تذبذب میں ماموں جی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفر کے متعلق عرض کیا اور  
 ماہیابی "ہم اپنے کو بالکل آپ کے حوالے کرتے ہیں، اگر ذرا سا بھی خیال ہو تو ہم سفر نہ کریں  
 بھی دو روز باقی ہیں، جو حکم ہو گا وہ کیا جائے گا، اماہیابی نے کہا، علی میں تم کو دینی کام  
 سے بالکل نہیں روکتی تم جاؤ اللہ حافظ و ناصر ہے۔

میری لڑکی امامہ سلمہا سے جو اکثر ان کی خدمت میں رہتی اور تیمارداری کا کام  
 انجام دیتی وہ بہت مانوس تھیں اپنے پاس بٹھا کر منا جاتیں سنا کرتی تھیں، چند منا جاتیں  
 جو انھوں نے خاص طور پر سنیں اور اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا ان کے چند شعر آپ بھی  
 سنئے

یا الہی اب مجھے دیدار احمد ہو نصیب      کردعا مقبول میری نام ہے تیرا عجیب  
 تو اب میں مجھ کو نظر آئے تو میں ردم کہوں      ہے یہی پیارا محمد جو خدا کا ہے حبیب  
 اور جب اس شعر کو سنا تو بے خود سی ہو گئیں اور مسکرا اٹھیں ۷  
 ہوں اسی دم یا اکہی میں فدائے مصطفیٰ      روح میری جنت الفردوس کے پہنچے قریب

آئیں خوریں میرے لینے کے لئے فردوس سے  
 مشور ہو عالم میں یہ ہر سو کہ کیا جاگے نصیب  
 اپنے صاحبزادے خال محترم مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی سے محبت کا جو تعلق تھا وہ کسی  
 سے مخفی نہیں ان کی سلامتی اور خدمت دین مقبولیت کی دعائیں ہمیشہ کہیں اور کرتی رہے  
 ان کی مشہور نظم جو اپنے صاحبزادے کے لئے لکھی تھی ان کے سامنے پڑھی گئی، جس کے  
 چند شعر یہ ہیں

بے زندہ باقی جہاں میں علی رہے تیرے حفظ و اماں میں علی  
 ہو آباد کون و مکاں میں علی ہو سرسبز باغ جہاں میں علی  
 علی سے ہو روشن چراغ جہاں علی سے ہو سرسبز باغ جہاں  
 یہ ایک طویل نظم ہے جس میں ہر طرح کی دعا اور مناجات ہے جب ان کی نو اسی نے  
 اس نظم کے یہ شعر پڑھے

تو حافظ ہے اس کا تو ہی ہے قریب بلا کوئی آدمے نہ اس کے قریب  
 دعا سن لے امیری تو رب مجیب الہی علی کو تو کر خوش نصیب  
 علی سے بڑھے خاندان علی علی سے نمایاں ہوشان علی  
 تو خوشی و مسرت سے چہرہ کھل اٹھا اور بے ساختہ آئین آئین کے الفاظ دہرانے لگیں  
 اسی نظم کا ایک شعر کتنے درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔  
 یہ دل آزمائش کے قابل نہیں ہے  
 کہ بسمل ترا اب وہ بسمل نہیں ہے

نظم کے بعد پڑھنے والی نے انھیں کی کہی ہوئی دوسری مناجات پڑھی جس کی ابتداء  
اس طرح ہے

نہوں کیوں کر تصدق اس خدا کے  
تسلی دی مجھے اس نے اسی دم  
نہیں تھی میں کسی قابل بہاں میں  
تمنا ہے دلی میری یہی ہے  
خوشی میری رہے باقی بہاں میں  
میں ہوں قربان اس شانِ عطا کے  
گئی درپہ میں جیساں کبریا کے  
مگر سب کچھ دیا اس نے بلا کے  
اٹھالے رنج سے غم سے بچا کے  
میں کر جاؤں سفر آرام پا کے

اس مناجات کو ختم کر کے اسی کے بعد والی مناجات پڑھی جس کے اشعار یہ ہیں

تجھ سے کہیں کہوں نہ حالِ دل  
کیوں نہ تجھ سے کہوں میں رور و کر  
دل میں طاقت ہے نہ ہمت ہے  
جو ہے مغموم ایک مدت سے  
عفو کر اب مری خطاؤں کو  
تیرے لطف و کرم کے صدقے میں  
تیرے نزدیک کچھ نہیں مشکل  
تو جو چاہے گلاب وہی ہوگا  
بس رضا پر ترے میں راضی ہوں  
کس طرح پھر قرار جاں ہووے  
ضبط کیونکر یہ اب فغاں ہووے  
حالِ دل کس طرح بیاں ہووے  
پھر کھلا کیوں نہ نیم جاں ہووے  
تو ہی اب مجھ پہ مہرباں ہووے  
صدر نہ درنج بے نشاں ہووے  
تو جو چاہے نہیں کھنی ہاں ہووے  
اک طرف گرچہ سب بہاں ہووے  
حکم تیرا جو کچھ عیاں ہووے

شکر اس کا کہے نہ کیوں بہتر

جو کہ ہر لحظہ ہر باں ہوسے

اس مناجات کو جب ختم کیا گیا تو بڑی بصیرت و استعجاب کے ساتھ کہا کہ ہم  
کیا ایسی مناجاتیں کہی ہیں؟ پھر اپنی صاحبزادی (امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) سے بولیں۔

”عائشہ! ہم کو بہت اطمینان ہے کہ جو کچھ مانگنا تھا مانگ لیا۔“

جمعہ کو خال محترم (مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی) نے بھوپال کا براہِ دہلی سفر کرنا  
نانی صاحبہ ہمیشہ رات کے سفر سے گھبراتی تھیں، لکھنؤ سے دہلی کا سفر رات ہی کا ہوتا ہے  
دوسرے دن سنیچر کو پچھ سے کہنے لگیں:

”ہم کو علی کے سفر کی بڑی فکر ہے، دہلی رات کو گئے ہیں، نہ معلوم کیسی گذری

ہوگی، اللہ تعالیٰ خیریت سے پہنچائے اور واپس لائے۔“

میں نے عرض کیا، آپ بالکل پریشان نہ ہوں، سفر بہت آرام سے انشاء اللہ ہوا

ہوگا، لیٹنے کی سیٹ مل گئی ہے۔۔۔۔۔ ایسا سفر ہوا ہوگا، جیسے یہاں اپنے پلنگ پر

سو رہے ہوں، اس کو سن کر مسکرائیں اور کہا ماشاء اللہ۔

اسی رات کو یا اس سے قبل کسی رات کو خواب دیکھا اور صبح اپنی صاحبزادی سے

کہا ہم نے یہ خواب دیکھا کہ ہمارے جسم کے ایک ایک روپے سے اللہ کی حمد نکل رہی ہے۔“

انوار کی شب گذرنے پر جب میں صبح کی نماز کو جانے لگا اور نانی صاحبہ کے کمرے

کے قریب سے گذرنے لگا تو میری خالہ (امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) نے کہا محمد ثانی، واللہ صفا

پڑیں، میں نے پوچھا کب؟ انہوں نے کہا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہیں نے کہا اس وقت  
 با حال ہے؟ وہ بولیں اس وقت غالباً سو گئیں، نماز کے بعد آکر میں نے پھر پوچھا،  
 معلوم ہوا کہ نماز پڑھ کر سو گئی ہیں۔

چند گھنٹوں کے بعد ان کو بڑی تکلیف محسوس ہوئی، ہونڈھے میں کافی گرم تھا  
 میں نے پوچھا، نانی صاحبہ کیا حال ہے کہنے لگیں سانس لینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے،  
 کم کو ڈر ہے کہ ہڈی میں ضرب آگئی ہے، مختلف دوائیں دی گئیں، وقتی آرام ہوا،  
 آخر مشورہ سے شام کو ڈاکٹر بلوایا گیا، اس نے دیکھ کر کہا ہڈی بے جگہ ہو گئی ہے،  
 اور ضعف کا یہ حال ہے کہ ٹھیک کرنا بہت مشکل ہے، دواؤں سے کام چلایا جائے،  
 تیسرے دن ان کو کرسی پر بٹھا کر دوسرے کمرے میں منتقل کیا گیا جس میں پہلے  
 منتقل قیام رہتا تھا، اور زیادہ کشادہ اور روشن تھا، منتقل کرنے میں ان کو اتنا ضعف  
 ہو گیا کہ نبض کمزور ہو گئی، اسی وقت میں نے ماموں جی کو فوراً واپس آنے کا تار دیا، اور  
 تار کی خبر ان کو سنا دی، یہ سن کر وہ خوش ہو گئیں، جیسے قوت عود کرائی ہو، اور بولیں،  
 ماشاء اللہ، دوسرے دن ماموں جی کا تار آگیا کہ میں پہنچ رہا ہوں، جب اس تار  
 کی ان کو خبر دی گئی تو اور زیادہ خوش ہوئیں اور کہنے لگیں "مزہ آگیا" بدھ کی صبح کو ماموں جی  
 پہنچ گئے، ماموں جی سے ملتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ قوت پوری طرح عود کرائی، وہ اپنی  
 ساری تکلیفوں کو بھول گئیں، ہم سب نے ماں، بیٹے کی اس لاقات کو ایسی نعمت  
 جانا جس کی بظاہر امید نہ تھی۔

جمعہ اور سنیچر کی درمیانی رات بڑی بے چینی میں گزاری اس کے باوجود نمازوں کا اہتمام اور تسبیح کا معمول برابر جاری رہا، کمزوری بڑھتی جا رہی تھی ہڈی کی تکلیف بہت تھی، مگر کسی وقت بھی ایسا کلمہ نہیں کہا جس سے شکایت یا بے صبری کا ادراک شائبہ بھی پایا جاتا ہو، اسی تکلیف میں جب کہ جوان سے جوان آدمی تک پیچ اٹھتا ہے ایک ۹۳ سالہ ضعیف و ناتواں بی بی سراپا صبر و شکر بنی ہوئی تھیں سوائے ذکر کے کوئی کلمہ زبان پر نہ آتا تھا، ہاں ایک بار بڑی تکلیف ہوئی تو بے چینی ہو کر کہا "یا اللہ ہماری خطاؤں کو معاف فرما"

اسی آخری شب کو جبکہ بے چینی اور بے قراری بہت زیادہ بڑھ چکی تھی تو ان کی ایک نو اسی ریحانہ نے کہا، اگر آپ فرمائیں تو کوئی مناجات یا نعت سنائیں تو فوراً بول اٹھیں، ضرور سناؤ، ریحانہ نے ان کی مناجاتوں میں سے یہ مناجات سنائی ہے

زباں میں یا الہی یہ اثر دے	کہ جو چاہوں میں تجھ سے تودہ کر دے
رہے باقی کوئی حسرت نہ یارب	گل مقصود سے دامن کو بھر دے
تصدق میں حبیب مصطفیٰ کے	مری سب مشکلیں آساں کر دے
مسرت کی گھڑی دکھلا دے یارب	غم و رنج و الم سب دور کر دے
عطا پر عطا رحمت پر رحمت	مرا گھر نعمت و دولت سے بھر دے
تو اپنی خاص رحمت سے الہی	خوشی شام و سحر اٹھوں پر دے
ترا ملنا بہت آسان ہو جائے	اگر اپنا کرم اک آن کر دے

رہے زندہ مری اولاد پارب ترقی، رزق میں شام و سحر دے  
 اگر زندہ رہوں میں تو رہوں بخش اگر مر جاؤں تو جنت میں گھر دے

جہاں میں جب تلک زندہ ہے بہتر

سراپا خوبیوں سے اس کو بھر دے

اس مناجات کے بعد پڑھنے والی نے حسب ذیل دوسری مناجات شروع کی  
 وہ ان کو سنتی جاتی تھیں اور زیر لب آمین کہتی جاتی تھیں، ان کو کیا معلوم تھا کہ دوسرے  
 دن ہی ان کا رب "اگر مر جاؤں تو جنت میں گھر دے" کی دعا قبول فرمانے والا ہے۔  
 کون سی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا کون سا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا  
 کون سا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا کون سا در ہے جس در سے کوئی خالی پھرا

آج اسی سرکار سے میں بھی تو پا کر شاد ہوں

آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں

یہ مناجات کافی طویل ہے، اس میں انبیاء کرام کا واسطہ اور وسیلہ حضرت  
 یوسفؑ کا چاہ میں جانا اور خدا کا فضل کرنا، حضرت ایوبؑ کی تکلیف اور اس سے  
 نجات، حضرت یونسؑ کا مچھلی کے پیٹ میں جانا اور نکلنا، حضرت ابراہیمؑ پر آگ کا  
 ٹھنڈا ہونا تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور خدا کے اسی مسلسل فضل و کرم کا واسطہ

دیکر اپنی تکلیفوں سے نجات کی طلبگار ہوئی ہیں، اس نظم کا ایک شعر ہے

اب تو خوش ہو جا الہی مصطفیٰ کے واسطے بابِ حمت کھول دے خیر النسا کے واسطے

خیر السناران کا اصلی نام تھا اور تخلص بہتر کرتی تھیں، یہ مناجات ریحانہ نے  
چند ہی بند تک پڑھی تھی کہ کسی کام کو چلی گئیں تو انھوں نے مکمل کرنے کا تقاضا کیا  
اور امامہ نے یہ مناجات پوری کی، لیجئے آپ بھی چند شعر اور سن لیجئے۔

یا الہی اب جہاں میں مبتلائے غم نہ کر      دل مرا پر غم نہ کر اور چشم میری نم نہ کر  
فکر غم سے ہوں میں بلا غلشت میری خم نہ کر      جو نگاہِ رحم ہے مجھ پر تری وہ کم نہ کر  
دے رہائی قید غم سے لے خدا اب تو مجھے

بس بڑی امید سے میں نے پکارا ہے تجھے

رات گزری، صبح کی نماز ادا کی، طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا، چاشت کا  
وقت آگیا، تو بغیر کچھ کہے تیمم کی مٹی تلاش کرنے لگیں، جو ان کے سر ہانے رہتی تھی کسی نے  
کہا ابھی ظہر کا وقت نہیں آیا، مگر وہ کچھ نہیں بولیں اور ادھر ادھر ہاتھ بڑھاتی رہیں،  
تو تیمم دیا گیا، پورے اہتمام سے تیمم کیا، اس وقت ہلکی سی غفلت طاری ہو چکی تھی،  
مگر اس کے باوجود چاشت کی نماز دور کعت ادا کی اور پھر غفلت زیادہ ہو گئی۔  
نماز ظہر کا وقت آیا تو ماموں جی (مولانا علی میاں) نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ  
بی بی کو نماز پڑھا دو، عرض کیا گیا نماز پڑھئے گا مگر وہ بالکل نہ بولیں تیمم ہاتھ کے پاس  
لایا گیا تو خود تیمم کیا اور پوری طرح کیا اور خود سینے پر ہاتھ رکھا، (جو دایاں تھا بایاں  
ہاتھ تو ہڈی میں ضرب آنے کی وجہ سے بالکل حرکت نہیں کرتا تھا) اور پوری چار کعت  
نماز ادا کی، نہ معلوم نماز کے وقت اتنا ہوش کیسے آگیا انھوں نے برسوں پہلے اپنے



آخری وقت کے لئے یہ شعر کہا تھا ہے

اس گھڑی لب پر الہی مرے تو ہی تو ہو

بے خودی میں بھی رہے ہوش بس اتنا باقی

ہم لوگ سب نماز پڑھنے چلے گئے، اماموں جی نے مجھ سے کہا کہ اب قریب ہی رہنا  
ہم لوگ جلدی واپس آگئے، غفلت طاری تھی، لیکن عجیب بات تھی کہ دایاں ہاتھ برابر  
کسی چیز کو تلاش کر رہا تھا، معلوم ہوا کہ تسبیح تلاش کر رہی ہیں، کیونکہ تسبیح ہر وقت  
ان کے ہاتھ میں رہا کرتی تھی، اور آخر میں تسبیح ہاتھ سے لے کر الگ رکھ دی گئی تھی کہ  
ہاتھ چلانے سے تکلیف ہوگی اسی عادت کی بنا پر وہ ہاتھ بڑھاتی تھیں اور ہاتھ کی  
انگلیاں ایک دوسرے کو اس طرح مس کر رہی تھیں کہ دائرہ سا بن گیا تھا جیسا کہ تسبیح  
پکڑتے وقت دائرہ بن جاتا ہے۔

تین بجے کیفیت میں تبدیلی ہوئی اور سکوت ٹوٹا، اور زور زور سے سانس کے  
ذریعہ ذکر کرنے لگیں، اس ذکر کو سن کر سب لوگ جمع ہو گئے، اللہ، اللہ کا ذکر اتنے زوراً  
صاف طریقے سے جاری ہوا کہ کمرہ کے باہر آواز جانے لگی، پونے تین گھنٹے لگاتار  
ذکر کرتی رہیں، ہم لوگوں نے کبھی ایسا پر سکینت منظر نہ دیکھا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ  
خدا کی رحمت اتر رہی ہے، سمجھوں دل ٹھہرے ہوئے تھے، یہ مبارک منظر دیکھ کر  
انہیں کی مناجاتوں کے چند شعر یاد آگئے اور ان کی قبولیت بدرجہ انم نگاہوں کے  
سامنے آگئی ہے

رکھ مجھے اسلام اور ایمان پر ثابت قدم ساتھ آسانی کے نکلے یا الٹی میرا دم  
 روح میری جس گھڑی ہونے لگے تن سے جدا ذکر ہو جاری زبان پر ہر گھڑی اور بر ملا  
 ہر گھڑی اور بر ملا کا لفظ کس طرح صادق آیا یہ ہر دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی تھی اور ہر  
 سننے والا کان سن رہا تھا

سفر کرنے لگوں جس دم عدم کا مرے آگے تری جنت گھڑی ہو  
 زبان پر ہو ترالیں ذکر جاری کسی کی فکر ہو اس دم نہ طاری  
 الہی دے زبان کو میری طاقت کروں میں دم بدم ذکر شہادت  
 خوشی سے لے کے میں ایمان جاؤں اور ترے احکام پر قربان جاؤں  
 اس طرح کے سیکڑوں اشعار ہیں، جو ان کی مناجاتوں کی کتابوں میں ہیں نمونہ  
 چند شعر تحریر کئے گئے، اسی طرح ان کی ایک قلمی کتاب میں ایک طویل دعا ہے جس میں  
 دین و دنیا کی ہر نعمت مانگی ہے، اور آخر میں اپنے خاتمہ بالخیر کی تفصیلی دعا کی ہے اور  
 رحمت الہی کی درخواست کی ہے۔

آخری لمحات میں چمچے کے ذریعہ منہ میں زمزم مسلسل ٹپکایا جاتا رہا اور وہ فوراً  
 حلق میں اتر جاتا۔

ہم لوگ عصر کی نماز پڑھنے گئے، نماز پڑھتے ہی فوراً آگے، ذکر مسلسل جاری تھا  
 خاندان کے اور افراد جمع ہو گئے مجمع بڑھتا گیا اور مختلف لوگوں نے آہستہ آہستہ سورہ تسبیح  
 پڑھنی شروع کی، تلقین کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی گئی کہ وہ خود ذکر کر رہی تھیں

میں نے تین بار سورہ یسین پڑھی اسی طرح تین تین بار چار چار بار مختلف حضرات نے سورہ یسین پڑھی محترمہ خالہ صاحبہ امتہ اللہ تسلیم صاحبہ کہتی ہیں کہ سورہ یسین کے بعد میں یہ دعا برابر پڑھتی رہی تھی۔

اللہم بارک لی فی الموت و فیما بعد الموت و تب علینا قبل الموت وھوون علینا سكرات الموت۔  
اے اللہ موت بابرکت دے اور موت کے بعد برکت نازل کر اور موت سے پہلے توبہ نصیب کر اور موت کے سكرات کو ہم پر آسان کر۔

وہ کہتی ہیں کہ یہ دعا مجھ کو والدہ صاحبہ ہی نے ایک عزیز کے انتقال کے وقت پڑھنے کو بتلائی تھی۔

چھ بچے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ ذکر بند ہو گیا، اور فضا میں سکوت طاری ہو گیا، چند سکند ہی گزرے تھے کہ معلوم ہوا کہ روح تن سے جدا ہو گئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" عمر بھر عبادت الہی اور ذکر مولیٰ میں محنت و مشقت اٹھانے والی نیک خاتون اپنے محبوب مولا کے پاس پہنچ گئی اور عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ گیا۔ ع۔

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

عموما کسی کے انتقال کے وقت حاضرین پر ایک گھبراہٹ سی رہتی ہے اور

مرنے کے بعد قریبی تعلق رکھنے والوں پر وحشت اور غم و اندوہ کا عالم طاری ہو جاتا ہے

مگر یہاں اس کے بالکل برعکس تھا، سیکنت و طمانیت کی فضا قائم تھی، اس طمانیت و سیکنت کا اثر ہر ایک کے دل پر طاری تھا، اور اس مبارک موت پر ہر اک مطمئن تھا اور ایسی ہی موت کی تمنا دنوں میں جاگ اٹھی تھی، اور جانے والی اس نیک بی بی کے ایسے مبارک سفر آخرت اور ان کی خوش نصیبی و خوش بختی پر ہر ایک کو رشک سا آنے لگا اور ان کی دعا انہیں کے الفاظ میں پوری طرح قبول ہوئی۔

ہوں پوری آرزوئیں سب اٹھوں دنیا سے خوش ہو کر

ہو میری خوش نصیبی کا الہی تذکرہ گھر گھر

انتقال کے بعد ہی لکھنؤ کا پورا فتحپور ادہلی، اطلاع کی گئی اور رات ہی رات سارے تعلق والے آگئے، رات ایسی پرسیکنت گذری اور دنوں پر ایسی کیفیت طاری رہی جس کا الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاسکتا۔

رات کو میری آنکھ کھلی کہ ۲ بجے کے قریب ماموں جی (مولانا علی میاں) قریب ہی

دوسرے کمرے میں اپنی والدہ ماجدہ کی مناجات بڑے درد و سوز کے ساتھ پڑھ رہے تھے،

وہ شعر کیا تھے، مجھے اب یاد نہیں، لیکن ایسے عالم میں جبکہ رات کا ساٹھ اٹھان کے سننے

سے عجب کیفیت و سرور محسوس ہو رہا تھا، نماز فجر سے پہلے غسل دیا گیا، اس کا اہتمام کیا گیا کہ

ساری عمر سنت کا خیال اور اہتمام رکھنے والی بی بی کا غسل بھی سنت کے مطابق ہونا ہی تھا

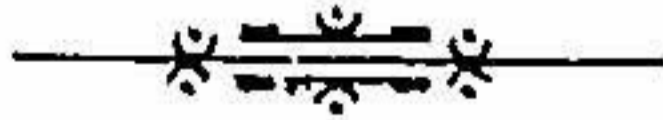
کی ایک صاحبزادی انتہائی شریف و شہرتی زیور لیکر کھڑی ہو گئیں اور دوسری بڑی صاحبزادی

میری والدہ ماجدہ غسل دینے والیوں میں شریک ہو گئیں اور ایک ایک سنت کا احسان

رکھتے ہوئے غسل دیا گیا اور آٹھ بجے آخری زیارت کر کے جنازہ باہر لایا گیا، میدان میں ان کے صاحبزادے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور لوگوں نے کاندھا دینا شروع کر دیا، آخر آخر تک کثرت ہجوم کی وجہ سے کئی آدمیوں کو کاندھا دینے کی نوبت نہ آئی اور صرف پایا چھو کر رہ گئے، مسجد کے جنوب مشرق میں خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ علم اللہ کا روضہ ہے جس میں ان کے اور ان کے خاندان کے مختلف خوش قسمت لوگوں کے چند مزارات ہیں جن میں مرحومہ کے عظیم المرتبت شوہر مولانا سید عبدالحی صاحب کا مزار بھی ہے، انھیں کے پہلو میں مشرقی جانب ۸ بجے صبح اس بزرگ ہستی کو جس کی بدولت پورے خاندان پر خیر و برکت کا نزول ہو رہا تھا اور مسلسل ذکر و عبادت سے گھر کا گھر رحمت الہی کا مرکز بنا تھا، سپرد خاک کیا گیا آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے مٹی دینے میں پون گھنٹہ لگا تقریباً ۹ بجے ہم لوگ یہ دعا کرتے ہوئے روضہ سے باہر نکلے۔

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر      خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر  
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا      نور سے معمور یہ خاکِ شہستان ہو ترا

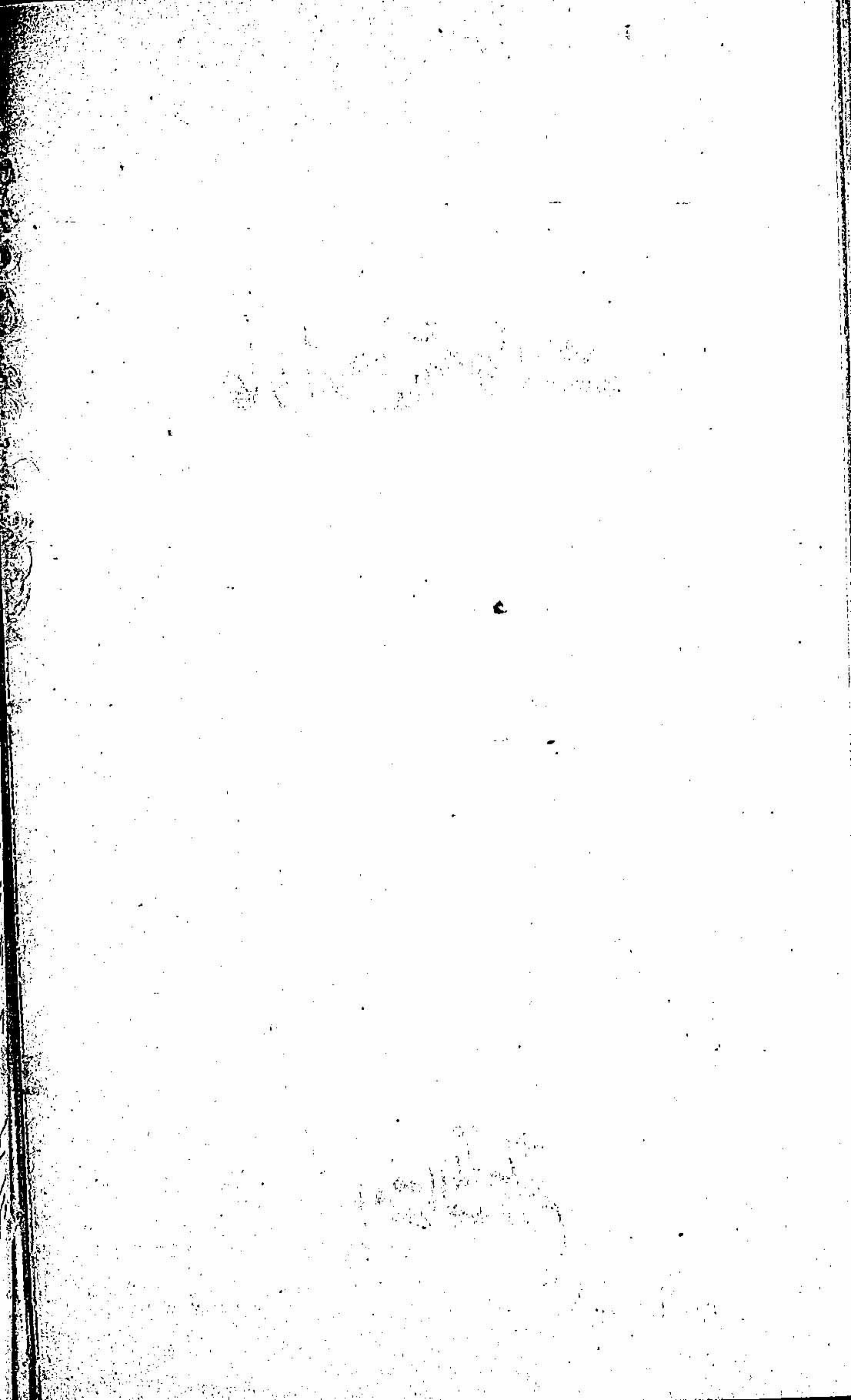
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے  
سبزہ نور ستہ اس گھر کی نگہبانی کرے





# عادات ومجولات

امّة الاسلام





## عادات و معمولات

میں نے اپنے ہوش میں والدہ صاحبہ کے تین دور دیکھے ہیں۔

والد صاحب کی زندگی کا ایک دور پھر ان کی وفات کے بعد پھر عالمِ صنعی کا۔  
والد صاحب کی زندگی میں والدہ صاحبہ نماز اور تلاوت کلام پاک کے بعد  
پورا وقت والد صاحب کی اطاعت اور خدمت میں گزارتی تھیں، ان کا کھانا چائے  
ناشتہ، پان اور ضروریات کی کل چیزیں خود ہی اپنے ہاتھ سے تیار کرتی تھیں، پورا دن  
انھیں کاموں میں گذر جاتا تھا، حالانکہ بچانے والی موجود تھی، لیکن والد صاحب کے کام  
اس پر نہیں چھوڑتی تھیں۔

صبح سویرے اٹھ کر سماوار میں چائے کا پانی رکھ کر آگ جلا دیتی تھیں، پھر نماز  
کے لئے کھڑکی ہو جاتی تھیں، جب والدہ صاحبہ مسجد سے تشریف لے آتے تو چائے  
وم کر کے ناشتہ پیش کر دیتی تھیں، ناشتہ اور چائے کی فراغت کے بعد دوپہر کے کھانے کی

تیاری میں مصروف ہو جاتی تھیں۔

جدت کا مادہ تھا، ایک کھانے پر کبھی اکتفا نہیں، ہر روز نئی چیز، ہر روز نئی ایجاد و ذائقہ میں کھانے اور حلوہ جات کی جتنی ترکیبیں لکھی ہیں، سب بیسیوں مرتبہ کی پکائی اور بنائی ہوئی ہیں، والد صاحب بڑے مہاں نواز اور دعوت کرنے میں بھی بہت ممتاز تھے، ہر روز کسی نہ کسی کی دعوت ہوتی اور والدہ صاحبہ بڑے انہماک سے دعوت کا سامان کرتیں، اور کئی کئی قسم کے کھانے حلوہ وغیرہ تیار کرتیں۔

والد صاحب پان کے بھی بہت شوقین اور عادی تھے، دن میں کئی مرتبہ گلوری دان بھرا جاتا تھا، گلوریاں بنا کر گلوری دان میں گلوریوں کو ایسی خوبی سے بھرتی تھیں کہ پھول کا گلہستہ معلوم ہوتا تھا، اسی طرح پھلوں کی پھانکوں کو پلیٹ میں اس طرح سجاتی تھیں کہ دیکھنے والا عشق عشق کر جائے اور بغیر تعریف کئے نہ رہے۔

خدمت گذاری اور اطاعت کا جو سلوک اول دن سے کیا اس کو والد صاحب کے آخر دم تک بنا ہا، ذرہ برابر فرق نہیں ہوا، ہم لوگوں کی تعلیم ہمارے چچا سید عزیز الرحمن صاحب کے سپرد کر دی تھی، لیکن عشا بعد جب تمام کاموں سے فراغت ہو جاتی تھی تو ہم لوگوں کو بٹھا کر سکھاتی تھیں، قرآن شریف کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور حدیث کی دعائیں یاد کراتی تھیں، وہ دعائیں اب تک ہم لوگوں کو یاد ہیں اور دعاؤں کی فضیلتیں بتاتی تھیں، اللہ رسول کے قصے ایسی خوبی سے بتاتی تھیں کہ دل میں اترتے چلے جاتے تھے صحابہ کرامؓ اور صحابیات رضی اللہ عنہم کے حالات اور بزرگوں کے واقعات بھی سناتی رہتی تھیں،

شیخ عبدالقادر جیلانی کی سچائی کا واقعہ پہلی مرتبہ انھیں کی زبانی سنا اور اسی طرح کے بیسیوں واقعات۔

قرآن شریف کی حافظہ تھیں مجھ کو بھی حکم دیا کہ تم بھی حفظ کر لو چنانچہ میں نے چھ پارے یاد کر لئے پھر یہ کہہ کر چھڑا دیا کہ اب کوئی سانس نہیں ہے، تم سنبھال نہ سکو گی۔

رمضان شریف میں والد صاحب کی خدمت کے باوجود دن میں اپنے بھتیجے سید حبیب الرحمن صاحب سے دور کرتیں اور رات کو تراویح میں سناتی تھیں۔

والد صاحب کی وفات کے بعد ہم تن خدا کی طرف متوجہ ہو گئیں گرمی میں ٹھالی بجے سے اور جاڑوں میں تین بجے سے اور رمضان شریف میں گرمی میں ایک بجے سے اور جاڑوں میں ڈیڑھ بجے سے تہجد کے لئے اٹھ بیٹھتیں تھیں، اور بڑی لمبی لمبی سورتیں پڑھتی تھیں مثلاً سورہ حدید، سورہ حشر، سورہ دخان، سورہ یسین، سورہ شریف، الم سجدہ، حم سجدہ، سورہ طور، سورہ نجم، سورہ واقعہ، سورہ رحمن، سورہ ق، سورہ ذاریات، تہجد میں اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے جانماز تر ہو جاتی تھی اور کبھی اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے دنیا کی خواہش نہیں کی، بس اللہ رسول کی محبت دینی خوبیاں اور دینی خدمت کی توفیق۔

صبح چار بجے انگلیٹھی جلا کر رکھ دیتی تھیں، اور خود نماز میں مصروف ہو جاتی تھیں، دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، نماز پڑھ کر سب کو جگانا شروع کرتی تھیں، جو اٹھنے میں تباہی کرتا تو بہت ناراض ہوتی تھیں اور جو نماز کے بعد سو جاتا تھا تو اس پر کبھی

خفا ہوتی تھیں، کہتی تھیں، جو ہمارے گھر میں سوئے وہ نماز کو ضرور اٹھے ورنہ یہاں نہ سوئے  
 خود نماز پڑھ کر اسی جا، نماز پر اشراق تک بیٹھی رہتی تھیں، اور تہجد کے بعد صبح کی نماز تک  
 لا الہ الا اللہ کی ضرب لگاتی تھیں، پھر صبح کی نماز کے بعد تسبیحات میں مشغول ہو جاتی تھیں  
 اشراق کی نماز پڑھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر کلام پاک کی تلاوت کرتیں اور کچھ گھر کے کام  
 انجام دیتیں، پھر چاشت کی نماز کے بعد مناجاتیں لکھنا شروع کر دیتیں، پھر ظہر کے کھانے کا  
 وقت آ جاتا، کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتیں، پھر اذان سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھ جاتیں، اور  
 جا نماز پڑھ کر تسبیح میں مشغول ہو جاتی تھیں، جب ظہر کی اذان ہو جاتی تھی تو نماز پڑھ کر  
 سورہ فتح اور سورہ نبا پڑھتی تھیں، پھر تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی تھیں، حتیٰ کہ عصر کا  
 وقت آ جاتا تھا، عصر کی نماز پڑھ کر پھر کلام پاک کی سورتیں مغرب تک پڑھتی رہتی تھیں۔  
 ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کا انتظار شروع ہو جاتا تھا۔

جب تک قوت و ہمت یہی گھر کی دیکھ بھال بھی کرتی رہیں، مگر جب میرے چھوٹے  
 بھائی علی سلمہ کی شادی ہوئی تو پورا گھرانہ کی اہلیہ کے سپرد کر کے خود فارغ ہو گئیں،  
 رمضان شریف میں تراویح میں کلام پاک برابر سناتی رہیں، جب ضعیفی کا عالم ہوا تو بیٹھ کر  
 سنانے لگیں، جب اس کی بھی طاقت نہیں رہی تو مجبوراً چھوڑنا پڑا، بصارت نے بھی  
 جواب دیدیا تھا، یہ بات بھی قابل تحسین ہے کہ آنکھوں کی بصارت عرصہ سے ختم ہو گئی  
 تھی لیکن ہم لوگوں کے سوا خاندان کے کسی فرد نے نہ جانا، اس حدیث قدسی کے مصداق

لے لکھنؤ کے مکان کی ذمہ داری ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی اہلیہ کے سپرد تھی اور رائے بریلی کے مکان بہا  
 خود بھی مقیم تھیں اپنی چھوٹی بہو کے سپرد کیا۔

بن گئیں، جب میں اپنے بندے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں یعنی اس کی آنکھیں لے لیتا ہوں اور وہ ان پر صبر کرتا ہے تو میں ان دونوں کے بدلے اس کو جنت دوں گا۔ آنکھوں کی روشنی ختم ہونے کے بعد دن رات نماز، تسبیح اور تلاوت کلام پاک ہی کام رہ گیا اور ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ نماز وقت سے بے وقت نہ ہو جائے، گھڑی سر ہانے رکھی رہتی تھی، ہر آنے جانے والے سے پوچھتی رہتی تھیں، کیا بجا ہے؟ میں ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی، گھڑی بھر کو بھی کمرے سے نکل جاتی تھی تو پکارنے لگتیں، اکثر میں کہتی کہ میں پاس بیٹھی ہوں بتا دوں گی کہ وقت آگیا مگر اطمینان نہ ہوتا تھا، ہر دس منٹ پر پوچھتی تھیں کہ کیا بجا ہے اور مغرب کے وقت تو دروازہ پر ایک آدمی کو بٹھا دیتی تھیں کہ اذان سن کر فوراً بتاؤ، رات کو تاکید حکم تھا کہ گھڑی کو کدو، الارم لگا دو، پھر اطمینان نہ ہوتا تو پوچھتی تھیں کہ الارم لگا دیا، اگر اتفاق سے کبھی بھول ہو جاتی گھڑی نہ بجاتی آنکھ نہ کھلتی تو بہت ناراض ہوتیں، اور سارے دن اس کا رنج رہتا، عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی تھیں، لیکن تھوڑی دیر میں آنکھ کھل جاتی تھی، اور گھبرا کر پوچھتی تھیں، ہم نے عشاء کی نماز پڑھی ہے جو ہم کہتے ہاں پڑھی ہے تو کہتیں خوب یاد ہے، تم نے دیکھا ہے، پھر خود کو بھی یاد پڑ جاتا، اور کہتیں کہ ہاں پڑھ لی ہے، پھر سو جاتی تھیں۔

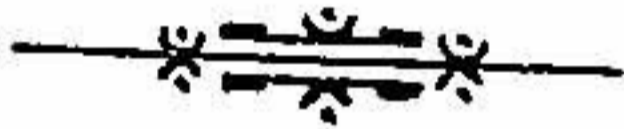
عرصہ سے ایک کام یہ اپنے ذمہ کر لیا تھا کہ ناشتہ کی فراغت کے بعد سورہ فاتحہ الم مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یسین شریف، تقد جبار کم سے عظیم تک سورہ کہف کی اول آخ کی دس دس آیتیں، اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ،

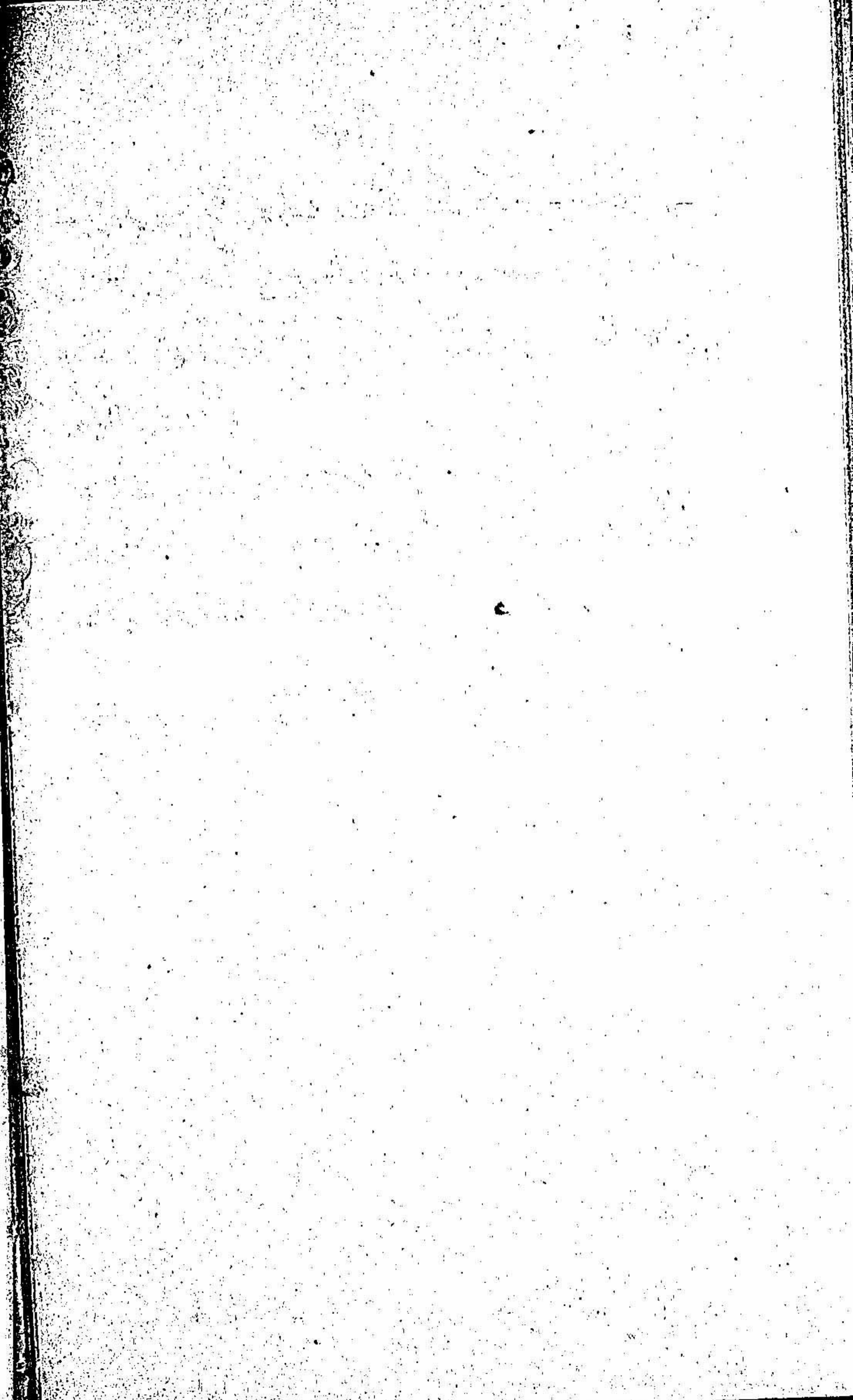
سورۃ الم نشرح، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ ناس، یکا والذین سے بجنون تک،  
 قل من یصینا سے عورینون تک، وان تمسک الشریعۃ فلا کاشفت، الا هو وان یرد  
 بیکر فلا راد، یفضلہ یصیب من یشاء، والشعر عفوہ ریحیم، رت اشرح فی صدری  
 سے یفہو و یوئی تک، اللہم اجعل فی قلبی نوراً الی آخرہ اور حزب الاعظم کی چند مخصوص  
 دھائیں اور درود شریف تنجینا پڑھ کر پانی پر دم کر دیتیں، اور وہ پانی گھر کے کل افراد کو  
 پلاتی تھیں، پھر تو یہ ہوا کہ مریضوں کے لئے جانے لگا، دور دور سے لوگ آتے اور پانی  
 لے جاتے، اللہ کے فضل سے لوگوں کو شفا ہونے لگی اور اب تو یہ ہو گیا تھا کہ خاندان  
 کے سارے افراد اپنے اوپر دم کرانے لگے تھے، اور ہر ایک کو اتنی شفقت و محبت  
 سے ہاتھ پھیر پھیر کر دم کرتی تھیں کہ مزا آجاتا تھا، آنے جانے والی عورتیں بھی اپنے اوپر  
 دم کراتی تھیں۔

خوراک بالکل کم ہو گئی تھی، صبح کو ایک بسکٹ ایک پیالی چائے اور پیر اور شام کو  
 ایک پھلکے کا چھلکا اور دو تھمے پاول، پتہ نہیں کس طرح جی رہیں تھیں۔  
 عرصہ سے دل بہت بے چین رہنے لگا تھا، اکثر کہتیں کہ اختلاج بہت ہے،  
 اس کا یہ انتظام کیا کہ ان کی مناجاتیں سنائی جانے لگیں اس سے انھیں بہت سکون  
 ملنے لگا چونکہ اپنی مناجاتیں بھول چکی تھیں اب بوسنیس تو انھیں مزا آگیا، بہت خوشی  
 ہوئی کہ یہ سب دعائیں کر چکے ہیں، بھلا ایسا مانگنے والا محروم ہو سکتا ہے اس خیال نے  
 ان کو بہت تسکین بخشی روزانہ تین چار مناجاتیں سنائی جاتی تھیں۔

مرض الموت میں پکانے والی نے بہت خدمت کی ان کو یہ نصیحت کی کہ دیکھو  
 حلیمہ سورہ واقعہ روز پڑھنا کبھی تمہیں فاقہ نہ ہوگا اور اپنے سب بچوں پر نماز کی تاکید  
 رکھو اور نہ تم سے پوچھ ہوگی اور ہر فرض نماز کے بعد انیس انیس بار بسم اللہ الرحمن الرحیم  
 پڑھ کر دعا کیا کرو قبول ہوگی۔

دنیا سے بے رغبتی ہمیشہ سے تھی لیکن اب تو نفرت ہو گئی تھی کہتی تھیں کہ ہم سے  
 دنیا کی بات نہ کرو، فیشن سے قلبی عداوت تھی ہم لوگوں سے کہتی تھیں کہ اگر تم نے فیشن کی  
 کوئی بات اختیار کی تو تم سے نفرت ہو جائے گی۔



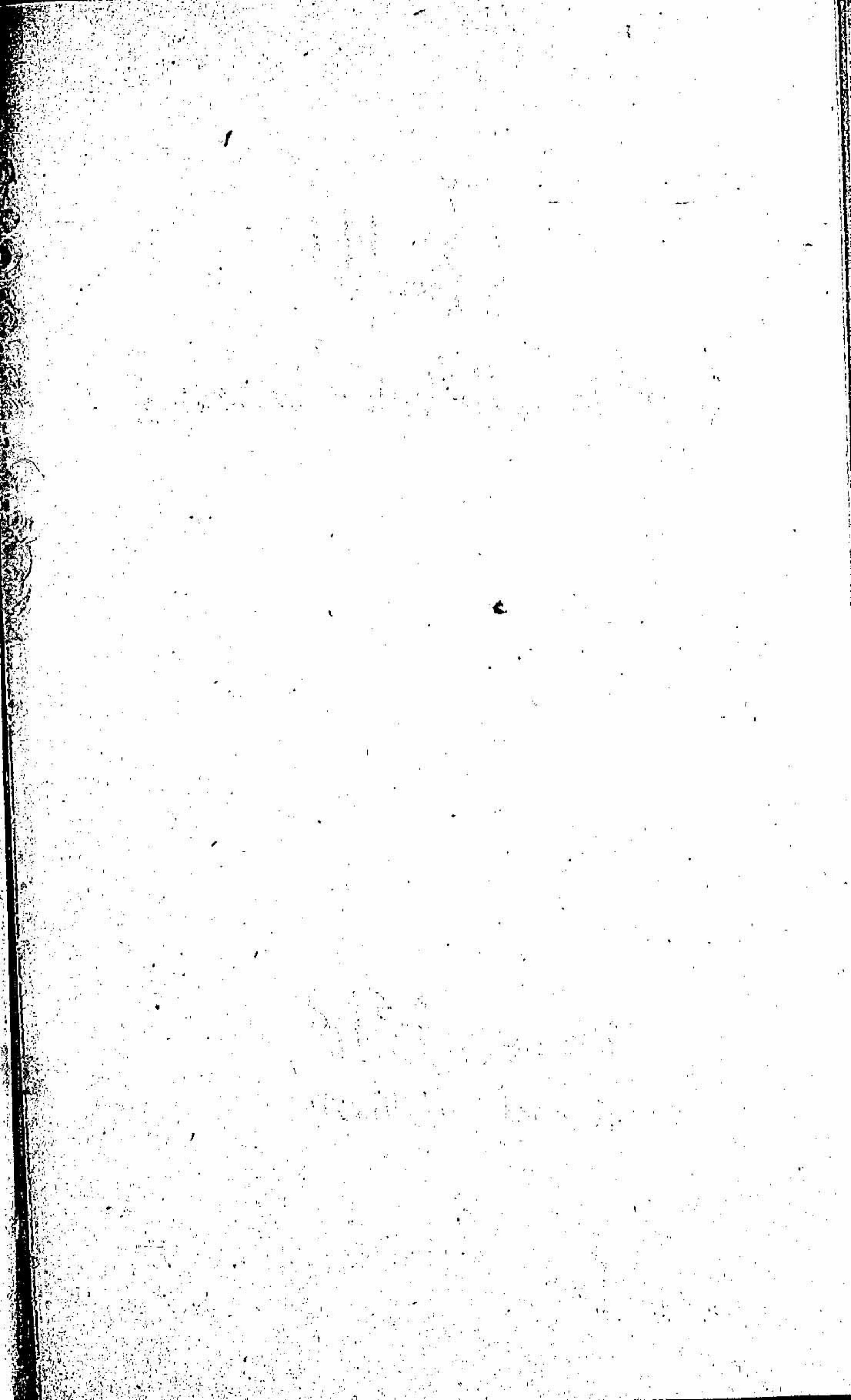




# اماں بی

(دعا و مناجات اور اقوال کے آئینہ میں)

محمد احسنی مدیر البعث الاسلامی  
(فرزند ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم)



# اماں بی

(دعا و مناجات اور اقوال کے آئینہ ہیں)

اماں بی ہمارے پورے خاندان کے لئے خیر و برکت، سکون و طمانیت اور نورانیت و  
 لٹہیت کا سرچشمہ تھیں اور ان کے جانے کے بعد خاندان کے ہر فرد نے صدق دل سے  
 یہ محسوس کیا کہ ایک بہت بڑی نعمت اس کے ہاتھ سے چھین گئی ہے، راقم السطور کی  
 خوش نصیبی تھی کہ ان کی زندگی کے آخری ایام میں اس کو حاضری کی سعادت حاصل ہوئی  
 ایسے باخدا، پاکباز اور خوش نصیب بندوں اور بندیوں کی زندگی کا ہر لمحہ بیش قیمت اور  
 ہر ساعت با برکت ہے، لیکن اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جب وہ اپنے خدا کے  
 حضور میں انعام لینے کے لئے جانے لگتے ہیں، اس وقت ان کی شان ہی اور ہوتی ہے،  
 رحمت خداوندی کا بکثرت نزول ہوتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ رحمت الہی ہوش مارتی  
 ہے، اماں بی کی زندگی کی وہ آخری ساعتیں بھی کچھ اسی قسم کی تھیں، اس وقت کی برکت اور  
 نورانیت اور سکینت و طمانیت ہم جیسے کثیف دلوں کو بھی محسوس ہوتی تھی۔

۱۰۶ مرحوم کے پوتے اور نواسے، اور پوتیاں اور نواسیاں ان کو اماں بی کے نام سے یاد کرتی تھیں۔

راقم سطور کے جدا مجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد مولانا  
 حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ  
 "ان کے انتقال کے وقت کیف و سرور اور سکینت کی ایک چادر پورے ماحول پر محیط  
 معلوم ہوتی تھی جس رات کو انتقال ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رات شب قدر ہے  
 ہم لوگوں پر حزن و ملال کا مطلق اثر نہ تھا، ذکر الہی بلند اور صاف آواز سے جاری تھا،  
 جس کو سب سن رہے تھے"

اماں بی کا حال اس سے ملتا جلتا تھا، ان کے انتقال کے وقت وہ وحشت و  
 گھبراہٹ اور حزن و ملال نہ تھا، جو عام طور پر ایسے موقعوں پر ہوتا ہے، ذکر سانس کے  
 ساتھ مسلسل اور صاف آواز سے جاری تھا، اور اسی حالت میں جان جان آفریں کے  
 سپرد کی اور راحت ابدی حاصل کی "يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ  
 رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي"

اماں بی کی زندگی میں ہمارے لئے بڑے سبق ہیں، اور ان کا ہر پہلو قابل توجہ  
 ہے، لیکن اس کے تین عنوانات بہت جلی ہیں، ایک دعا و مناجات کی وہ عجیب کیفیت  
 جس میں وہ بہت ممتاز، فائق بلکہ منفرد نظر آتی ہیں، اور دوسرے دین کی قوت و  
 ترقی، اسلام کے غلبہ کی سچی تڑپ اور حرارت و سوزش، تیسرے تربیت اور حسن معاشر  
 ہم ذیل میں ان کے اشعار و مناجات کے چند نمونے پیش کرتے ہیں، جو ان کی دلی کیفیات  
 اور مختلف پہلوؤں کے ترجمان ہیں، اس کے بعد ان کے حسن تربیت اور حسن نظر کے

چند نمونے خود ان کے کلام کی وساطت سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے،  
 "وما توفیقی الا بالشر"

دنیا کی بے ثباتی، دنیا کی حقارت، دنیا سے بے تعلقی اور اس کو کمتر، حقیر اور ذلیل سمجھنا ان کا ایسا حال تھا جس میں تصنع کو مطلق دخل نہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ دنیا میں رہنے اور سلیقے کے ساتھ زندگی گزارنے کی انہوں نے جو وضع اور نظیر قائم کی وہ اپنی جگہ خود نایاب نہیں تو کیا بضرور ہے، ایک طرف عالم قدس سے وہ تعلق دعا و مناجات سے ایسی والہانہ وابستگی اور دنیا کی وہ حقارت کہ اگر آدمی ان کے صرف ایک پہلو کو دیکھے تو کہے کہ ایسا آدمی دنیا سے بالکل کنارہ کش اور دنیا سے ناواقف ہو گا اور اس کو حقوق العباد ادا کرنا بھی مشکل ہو جانا ہو گا، اور دوسری طرف دنیا برتنے کا وہ سلیقہ اور دنیاوی معاملات میں ایسی دقیقہ رسی، تربیت و معاشرت کے شعبہ میں ایسی باریک بینی اور ذہانت اور امور خانہ داری میں ایسی مہارت اگر کوئی صرف اس پہلو کو دیکھے تو یہ کہے کہ ایسا آدمی دعا و مناجات اور عبادت و تلاوت کے لئے وقت دماغ اور دل کہاں سے لاتا ہو گا۔

اماں بی میں یہ دونوں باتیں اس حسن و خوبصورتی کے ساتھ جمع تھیں کہ اس کو قرآن مجید کی اس آیت: "هَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْجٌ"

سے اس کی شہادت کے لئے ان کی دو کتابیں "حسن معاشرت" اور "ذائقہ" بالکل کافی ہیں۔  
 "ذائقہ" انہوں نے کھانے کے انواع و اقسام پر لکھی ہے۔

لَا يَبْعِيَانِ کے سوا اور کسی چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا سے خطاب کرتے ہوئے کس ساوگی اور سچائی کے ساتھ کہتی ہیں۔

گھبرانہ ہم سے دنیا تجھ میں نہ ہم رہیں گے  
 شیوہ تیرا دغا ہے شیوہ تیرا جھٹکا ہے  
 ہاں تو ستائے ہم کو جتنا ستانا چاہے  
 تیری یہ بے وفائی تیری یہ کج ادائیگی  
 اتنا ہے جو یہاں وہ رہتا ہے تجھ سے نالاں  
 کر کچھ تو اب بھلائی مہمان ہم ہیں پیرے  
 تو ہم سے گر خفا ہو پروا نہیں ہے ہم کو  
 بھیجا تھا اس نے ہم کو تیرے یہاں یہ کہہ کر  
 اپنا وطن عدم ہے جا کر وہیں بسیں گے  
 تو سخت بے وفا ہے ہم صاف ہی کہیں گے  
 کیا ہوگا جب خدا سے فریاد ہم کریں گے  
 تیری ستم ظریفی کب تک یہ ہم سہیں گے  
 ایک روز ہم بھی تجھ سے منہ پھیر کر چلیں گے  
 جب ہوں گے تجھ سے رخصت پھر ہم نہیں ملیں گے  
 مالک ہو ہم سے راضی جس کے یہاں رہیں گے  
 جب ظلم ہوگا تجھ پر انصاف ہم کریں گے

انصاف کیا ہو بہتر یہ ظلم کی ہے بانی

جو کچھ ستم کرے گی سب کچھ وہ ہم سہیں گے

دنیا کی بے ثباتی پر ان کی ایک اور طویل نظم ہے جس کا ردیف و قافیہ ہے،

”جو آج ہے وہ کل نہیں“ اس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

لے دونوں سمت در ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک ایسا برزخ ہے جو ایک  
 کو دوسرے میں داخل ہونے سے باز رکھتا ہے یہ آیت اس کھادی برشیریں پانی کے متعلق ہے، جو ایک ہی چشمہ کے  
 اندر نظر آتا ہے ایک طرف شیریں پانی ہوتا ہے، ایک طرف نمکین، حالانکہ بیچ میں کوئی روک نہیں ہوتی۔

اے مومنو! ہوشیار ہو جو آج ہے وہ کل نہیں  
 کرنا ہے جو کر لو ابھی کیا زندگی کا آسرا  
 دنیا پہ تم نازاں نہ ہو ہیں چار دن کے میزے  
 ہو عیش یا آرام ہو جو کچھ بھی ہو سب ہے فنا  
 جو کچھ کہ دیکھا ہم نے یاں وہ خواب تھا بھولا ہوا  
 ان کو اپنے خدا پر ناز و اعتماد اس درجہ تھا کہ اس کو دیکھ کر وہ حدیث یاد آجاتی  
 ہے جس میں کہا گیا ہے:

سب اشعت أغيروا قسم  
 علی اللہ لا برة۔  
 بعض ایسے پریشان حال اور گرد و غبار میں اٹے  
 ہوئے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ  
 ان کی قسم کی لاج رکھنے کا۔

دیکھئے کس درد اور تڑپ کس بھروسہ اور اعتماد اور کس یقین اور محبت کے ساتھ  
 اپنے مالک سے گویا ہوتی ہیں۔

جو مانگا ہے، جو مانگیں گے، خدا سے ہم وہی لیں گے  
 نہیں گو ہم کسی قابل، مگر تیری عنایت ہے  
 کیا تو نے طلب ہم کو اٹھیں گے ہم نہ اس در سے  
 چل جائیں گے، روئیں گے، کہیں گے ہم یہی لیں گے  
 جو تیری شان کے لائق ہے ہم تجھ سے وہی لیں گے  
 نہ جائیں گے نہ جائیں گے، ابھی لیں گے، وہی لیں گے

ارے بہتر نہ تو گھبرا جو مانگے گی وہ پاسے گی  
 کہے گی جب تو یہ رو کر کہ ہم اس دم یہی لیں گے

ان کا کہنا یہ تھا کہ دعا کی توفیق ملنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے خوب جی بھر کے اور دل کھول کر مانگے، اس لئے ایسے موقعہ پر ہی کوتاہی بے نیازی استغناء اور مایوسی، یا بے دلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ نہ کرنا چاہئے، دعا کی توفیق تو درپردہ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم دینا تو چاہتے ہی ہیں، تم مانگنا تو سیکھو۔

ایک مناجات اس طرح شروع کرتی ہیں۔  
 ہوئی جو در تک ترے رسالی، تو تجھ سے میرا سوال بھی ہے  
 تو دینے والا کریم بھی ہے، تو قادر ذوالجلال بھی ہے  
 یہ شان دیکھی تری نرالی جو مانگے تجھ سے تو اس سے راضی  
 بلا کے دینا کرم ہے تیرا، یہ فضل بھی ہے کمال بھی ہے

آخر میں کہتی ہیں۔

نہیں ہے بہتر کو اب گوارہ کہ دل ہو یاں رہ کے پارہ پارہ  
 ملے وہ گھر جس میں لطف بھی ہے کرم بھی ہے اور وصال بھی ہے  
 لیکن ان کی یہ مناجاتیں صرف ان کے اپنے حال دل تک محدود نہ تھیں، سوزش  
 اعداء، غربت، ملامت، امراض اور وبائیں، خشک سالی اور قحط، طغیانی اور سیلاب، مالی  
 پریشانیاں اور فکریں رمضان المبارک کا استقبال، بیت اللہ کی زیارت اور  
 مدینہ طیبہ کی حاضری سب ان کے موضوعات میں شامل ہیں۔

مسلمانوں پر غیر مسلموں کے مظالم اور اسلام کے خلاف ان کی نئی نئی تحریکوں اور گریزوں



کی بازشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہیں

لگائی ہے جو آگ اس دم انھوں نے  
ہم اسلام والے ہیں ایمان والے  
برے یا بھلے ہیں مگر ہم ہیں تیرے  
ہو ادنیٰ مسلمان میں بھی یہ قوت  
چلے کوئی جادو اب ان کا نہ ہم پر  
اسی نار میں نار یوں کو جلا دے  
نہ تو ان کے ہاتھوں سے ہم کو سزا دے  
جو میں کام بگڑے ہمارے بنا دے  
پکر کر سران کا زمین پر گرا دے  
جو سوتے بھی ہوں ہم تو ہم کو جگا دے

خشک سالی سے متاثر ہو کر ایک مناجات میں کہتی ہیں

یا اللہ العالمیں ہے تو ہی خیر الازقیں!  
جھوم کر اٹھے گھٹایا رحمتہ للعالمیں  
تو ہر خیر الازقیں کا تو خیر الہمیں  
نام کو سبزہ نہیں سوکھی پڑی ہے سبزیاں

بیرسائے یارب اس قدر سبز پھساری زمین

مٹ جائیں سارے رنج و غم آیا دھول اہل زمین

بارش کی کثرت اور دریا کی طغیانی سے نجات کے لئے سادگی اور روانی کے ساتھ  
مخود عا ہیں۔

میں نہ برستا ہوا تو لے اب تھام  
بہہ رہا چار سو جو دریا ہے  
آسماں پر گھٹا وہ چھائی ہے  
خوف طغیانی سے ہیں سب سہم  
اس میں ہوتا نہیں ہے ہم سے کام  
ہیں پریشاں اس سے غماص و عام  
صبح بھی ہو گئی ہے مثلِ شام  
کہتے ہیں دیکھئے ہو کیا انجام

ہونگے تیرے رحم کی مولیٰ خوف جاتا رہے ہو بس آرام  
تو ہی حافظ ہے تو ہی ناصر ہے تجھ سے کہتی ہوں تیرا لے کر نام

تجھ سے بہتر کی بس یہی ہے دعا  
اپنے بندوں کو کرنے تو ناکام

راقم سطور کی ولادت کے موقع پر کبھی انھوں نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان ہے۔  
"کام ہو میرا ترے فضل و کرم کا نام ہو"

یہ نظم بڑی مختصر اور پر اثر ہے اور میں اس کو اپنے لئے سرمایہ سعادت اور وسیلہ نجات  
سمجھتا ہوں ۵

فضل سے تیرے ہوئی آسان مشکل اڑی اور خوشی کی بے تعب نے دکھائی یہ گھڑی  
تو ہی کر آسان یارب ہیں یہ جتنی شکلیں دور ہو جائیں یہ ساری زحمتیں اور کلفتیں  
صدقہ احمد کا محمد ہو مرے گھر کا چراغ دیکھ کر اس کو الہی دل ہوں سب کے باغ باغ  
اور پیدا کر محمد میں الہی وہ کمال اور محمد ہو الہی جدا مجد کی مثال  
خوش ہوں اس کو دیکھ کر سب ادا اسکے والدین بس وہ ہو آنکھوں کی ٹھنڈک ورہے دل کا پین

نظم ہو مقبول میری اور خوش انجام ہو

کام ہو میرا ترے فضل و کرم کا نام ہو

بیت الشریعت کی حاضری کس طرح مزہ لے لے کر بیان کرتی ہیں اور اس کو

اپنی اسی دعا و مناجات کا ثمرہ سمجھتی ہیں، جو ان کی روح اور دل کی غذا اور دوا تھی۔

کہاں ملتی ہے یہ دولت و عزت  
 رہی دربار میں حاضر جو ہر دم  
 یہ نعمت اور دولت ہا تھا آئی  
 ضعیفی میں یہ راحت تو نے پائی  
 ہوئی دربار میں کس کی رسائی  
 بڑھاپے میں تجھے پہنچی بھلائی

لگائی تھی جو تو نے آس بہتر

جو کی امید تو نے وہ بر آئی

مدینہ طیبہ کی بساروں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی جدائی اور رخصتی کی تصویر اس طرح

کھینچتی ہیں، ایک طویل نظم کے چند اشعار

یہ سماں، یہ لطف، یہ دولت کہاں ہوگی نصیب  
 دل کو راحت آنکھ کو ٹھنڈک کہاں ہوگی نصیب  
 اور زیارت گنبد خضر کہاں ہوگی نصیب  
 یہ مبارک محلّیں ہم کو کہاں ہوں گی نصیب  
 یہ بہاریں اور یہ دلکش ادائیں چھوڑ کر  
 جائیں ہم کیونکر مدینہ کی فضائیں چھوڑ کر

دیار مقدس سے رخصتی کے وقت یوں گویا ہوتی ہیں

اے خدا پھر اسی دربار میں لانا مجھ کو  
 پھر ترے خانہ کعبہ کا کروں آ کے طواف  
 اپنے دربار کا سائل ہی بنانا مجھ کو  
 پھر مزے لطف و محبت کے چکھانا مجھ کو  
 اور ملے ارض مقدس میں ٹھکانا مجھ کو  
 ساتھ ایمان کے دنیا سے اٹھانا مجھ کو  
 اب تو طیبہ ہی میں ملجاے ٹھکانا مجھ کو  
 ہند میں رہ کے خدا یا نہیں راحت مجھ کو

قلب ہے میرا ضعیف اور سفر ہے مشکل  
تو اگر چاہے تو مشکل نہیں آنا مجھ کو

عم مخدوم و معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے لئے ان کی دعا کا کیا حال  
تھا، اس کے لئے صرف اتنا ہی سمجھ لیتا کافی ہے کہ ان کی ساری زندگی دعا تھی، اور ان کی  
ساری دعا چچا میاں کے لئے تھی، وہ جس وقت بھی دعا کرتیں اور جس کے لئے بھی دعا کرتیں  
وہ دراصل ان ہی کے لئے ہوتی اور ان کی کتابوں "باب رحمت" اور "کلید باب رحمت  
کا ہر صفحہ اس کا گواہ ہے۔

اماں بی کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و یقین ذوق و شوق اور تعلق مع اللہ کی  
اس دولت کے ساتھ جو خاصانِ خدا اور مقبولانِ بارگاہ کا حصہ ہے، تربیت کا جو ملک  
عطا فرمایا تھا اس کی تفصیل گذشتہ مضامین میں گذر چکی ہے یہاں صرف ان کی مقبول  
کتاب "حسن معاشرت" کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ  
ان کی نظر اجتماعی زندگی کے کیسے کیسے گوشوں تک پہنچتی تھی، اور معاشرت کے وہ لطیف  
ناترک پہلو بھی جن کی طرف اکثر لوگوں کو توجہ بھی نہیں ہوتی، ان کی دقیقہ رس نظر سے  
فراموش نہ ہوتے تھے۔

یہ کتاب نہ صرف اپنے مضامین بلکہ اپنی زبان و بیان میں بھی سادگی و پرکاری کا  
اعلیٰ نمونہ ہے، اور حیرت ہوتی ہے کہ ایک گوشہ نشین اور یاد الہی میں عمر گزار دینے والی  
لے اس کتاب کے گیارہ ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں۔

خاتون جب قلم اٹھاتی ہے تو اس طرح نقش قائم کرتی ہے، اور اجتماع و علم النفس کی حقیقتوں اور معاشرے کی تصویروں کو سادہ اور روان جلووں میں اس طرح پیش کر دیتی ہے کہ وہ زندہ اور متحرک معلوم ہونے لگتی ہیں۔

یہ کتاب انھوں نے خاص طور پر مسلمان بچیوں کے لئے لکھی ہے، لیکن اس کا مطالعہ ہر تعلیم یافتہ مرد کے لئے بھی مفید ہے، کتاب کے مقدمہ میں ایک جگہ لکھتی ہیں:—  
 ”تمہیں اگر یہ خیال ہے کہ ہمیں سب کچھ آتا ہے اور موقعہ پر سب کچھ کر سکتے ہیں تو یہ غلط ہے اگرچہ تم نے کبھی کبھار اپنے کپڑے سی ڈالے یا کسی کپڑے کی کتر بنی کر لی، یا کبھی ایک ہانڈی تیار کرنی، یا کسی کرتا ٹوپی میں ایک بوٹا بنا دیا، کلام مجید پڑھ کر صرف دو چار کتابیں لے بھاگیں کہ اس کے مسئلہ مسائل اور ان کتابوں کے سبب تالیف سے بھی واقف نہ ہوئیں یہ قابلیت بھی کوئی قابلیت ہے اگر کوئی کچھ پوچھ بیٹھے تو دیکھتی رہ جاؤ، تمہیں لازم ہے کہ جس کام کی طرف جھکو چاہے وہ کتنا ہی دشوار ہو بہ آسانی کر کے رکھ دو“

موجودہ زمانہ میں لڑکیوں کا جو حال ہے، وہ ان کے نزدیک والدین کے بدلے ہوئے رویہ کا نتیجہ ہے، لکھتی ہیں:—

”اب خود والدین اپنی اولاد کے تابعدار و تاز بردار ہیں، ان کی ہر خواہش پوری کریں گے، انہیں ہر طرح کا اختیار دیں گے، ان کی خوشی کو اپنی خواہش پر مقدم رکھیں گے، ان کی دل شکنی منظور نہ کریں گے، بری بھلی باتیں نہ سمجھائیں“

ان کے عیب و ہنر پر نظر نہ کریں گے، انہیں آزاد رکھیں گے پھوہ کیونکہ ان کے قبضہ میں آسکتی ہیں، لامحالہ ان کی یہی حالت ہوگی، جو اس وقت دیکھنے میں آرہی ہے، عام طور سے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب بڑکیاں نہایت آزاد اور بے خوف ہو رہی ہیں، جو چاہتی ہیں کر گزرتی ہیں، نہ والدین کا ڈر نہ خدا کا خوف، نہ دنیا کی شرم نہ عزت کا پاس، نہ عنیت کا لحاظ، نیک صحبتوں سے واقفیت نہیں، تفریح کی شائق، سیر و سیاحت پر قربان، ناولوں پر صدقہ، قصہ کہانی پر نثار، قرآن و حدیث سے بیزار، اوامر سے غافل، نواہی پر مائل، دروغ گو، عیب جو، دوستوں کی دشمن، دشمنوں کی دوست، نیز مزاج، متلون، جس کی جو وضع دیکھی پسند کر لی، جو راہ چاہی اختیار کر لی۔

سسرال میں ضرورت سے زائد شرم کرنے پر لکھتی ہیں :-  
 "محض دو لہن نہ بنی رہو، محل شرم و حیا دیکھ کر شرم کرو، زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں ہوتی، بڑوں کے سامنے ادب سے سلام کر کے بیٹھ جانا اور پردہ والوں سے پردہ کرنا کافی ہے، زیادتی شرم سے کام خراب ہو جاتا ہے۔"

شوہر کے ساتھ بڑتاؤ کے سلسلہ میں ایک جگہ بڑھی حکمت کی بات لکھتی ہیں :-  
 "جب مرد گھر میں آئیں، آتے ہی کوئی تردد والی بات نہ ہو، معلوم نہیں کس خیال میں آئے ہوں اور کیا خیال پیدا ہو جائے، کھانے کے وقت

ایسی دل چسپی کی باتیں کرو، کہ وہ خوش ہو کر کھائیں، بے فکری میں دال مثل قورمہ کے معلوم ہوتی ہے، فکر و تردد میں ہزار نعمت زقوم ہو جاتی ہے، اس کا تجربہ ہو چکا ہے، بعض بیدیاں آتے ہی تمام قصے کہہ سناتی ہیں، اٹھنا، بیٹھنا کھانا پینا دشوار ہو جاتا ہے، آخر وہ بھوکے اٹھ جاتے ہیں، خدا بھی ناخوش ہوتا ہے، اور وہ بھی، ایسی عقل سے خدا بچائے۔“

تربیت اولاد کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ لکھتی ہیں۔  
 یہ کوئی دشواریات نہیں، اولاد کی محبت سب کچھ سکھا دیتی ہے مگر عقل و سلیقہ شرط ہے، جو بد سلیقہ ہیں، ان کو اور ان کی اولاد کو زندگی دو بھر ہو جاتی ہے، پرورش پانے کو تو بچے پرورش پا جاتے ہیں، مگر حیوان ہی رہتے ہیں، نہ خاموشی کا سلیقہ نہ بات کرنے کا طریقہ، بات کے وقت خاموش رہے خاموشی کے وقت جو چاہا کہہ دیا، کھانے کا سلیقہ نہ پینے کی تمیز نہ پینے اور ٹھننے کا انداز، بچوں کی تربیت کس طرح ہو اس کے چند قیمتی اصول لکھتی ہیں:-

”بری صحبتوں سے دور رکھو، ہر وقت خیال رکھو کہ ان کی طبیعت کسی اور طرف مائل نہ ہو، ان کی ضد پوری نہ کرو، مانگنے سے پہلے ان کی خواہش پوری کر دو تا کہ ضد پیدا نہ ہو، ان کے ساتھ ایسا انداز رکھو کہ وہ تم سے بے خوف نہ ہوں، تمہارا اشارہ ان کو کافی ہو، بہت مارنے اور بار بار کہنے سے بچے بے جیا ہو جاتے ہیں، ایسے اشارے سے کام لو، ہر وقت ٹیڑھی باتیں نہ کرو“

تھوڑی خطا پر سمجھا دو غصہ میں کوئی لفظ بے جا نہ نکالو کہ پتہ چلتا نا پڑے ان کی طرف سے کسی کو برا نہ کہو بلکہ انہیں کا قصور سمجھو ان کا کہنا نہ مانو، مار کر ہنسو نہیں، ان سے بے تکلف ہو کے باتیں نہ کرو کہ وہ بے حجاب ہو جائیں، ان پر اپنی محبت کا اظہار نہ کرو، کسی بات میں ان کی بے جا طرفداری نہ ہو، سب بچوں کو ایک نظر سے دیکھو، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو، کہ ایک دوسرے کو ذلیل سمجھیں، بچوں کی ہر خواہش پوری کرنا بڑی غلطی ہے، یہ محبت نہیں بلکہ عداوت ہے۔

ماماؤں کے ساتھ برتاؤ کے سلسلے میں لکھتی ہیں:-

”ہر قصور پر لعنت ملامت نہ کرو، کچھ کچھ تم بھی مدد دیتی رہو، ضرورت کے وقت بے کار کام نہ لو، جب وقت پر کام نہ ہو گا تو برا کہو گی تو اگلے تمہیں کو وہ تھپڑ لگائیں گی، پھر تمہاری کیا رہ جائے گی، اگر تمہیں منظور ہے کہ کام بھی ٹھیک وقت پر ہوتا ہے اور کوئی چیز ضائع نہ ہو تو نگرانی کے لئے موقعہ پر بیٹھ جاؤ، مگر یہ ظاہر نہ ہو کہ تم اس غرض سے بیٹھی ہو، یہ کھانا لیں“

کام کی عادت کے سلسلے میں لکھتی ہیں:-

”ہر کام کی عادت ڈالنا چاہئے کسی وقت بے کار نہ رہو، اکثر بے کار

رہنے والوں کو دیکھا ہے، سات آٹھ بجے تک سوتے رہتے ہیں، اگر کوئی کرنے والا

ہو تو خیر ورنہ اکثر مرد خود کو لیتے ہیں، کس قدر شرم کی بات ہے کہ بی بی صاحبہ



لیٹی یا بیٹھی ہیں، اور مرد پریشان پھر رہے ہیں!“  
 چند پسند کے عنوان سے بڑی حکمت کی باتیں بیان کی ہیں، چند جو اہر پارے  
 پیش کئے جاتے ہیں، جو محض لڑکیوں کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مرد و عورت اس سے  
 برابر کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

”دو شخص جب برابر ہوں اور تم کچھ دیتا چاہو تو برابر دو، زیادہ کم دینے  
 میں تم بے وقوف کہلاؤ گی اور کم حصہ والی کی سبکی ہوگی، دو شخصوں کے سامنے ان میں  
 ایک کی تعریف نہ کرو، خاطر مدارات برابر کرو، کسی کی دل شکنی نہ کرو، غیروں سے  
 بہت نہ ملو، نہ ان سے کچھ امید رکھو، اگر تمہارے خیال کے مطابق نہ ہو تو ملال ہوگا  
 کہاں رہتی ہے وہ قیمت بہاں پنی میں بال آیا“

جس سے محبت کرو خدا کی خوشی کے لئے، جو بات کہو موقعہ پا کر کہو، اگر کھانے  
 کا ذکر ہو تو تم کپڑوں کا تذکرہ نہ کرو، کہ مثل صادق آریے ماروں گھٹنا پھوٹے آگے  
 ایک کی بات ختم ہو جائے، تو تم کہو۔

کوئی شخص اگر تمہاری مروت و محبت یا کسی اور خیال سے تمہارا کچھ کام  
 کر دے تو اس کام میں برائی نہ نکالو، ہر شخص کا احسان مانو۔

جس سے پردہ کرو اچھی طرح سے کرو، صورت تو چھپاؤ اور آواز سناؤ یہ طریقہ  
 خوب نہیں، صورت کا آواز سے اندازہ ہو جاتا ہے، بری خصلتوں اور بری اداؤں

سے بچو، دانتوں سے ناخن کاٹنا، انگلیاں توڑنا، مجلس میں انگلیاں الجھانا،  
سر پینا، سر ٹھوکنا، سب کے سامنے جوئیں نکالنا، بات کرتے وقت ہاتھ ملنا،  
سر پھیرنا، گردن موڑنا وغیرہ یہ سب بیہودہ عادتوں میں شمار ہیں۔

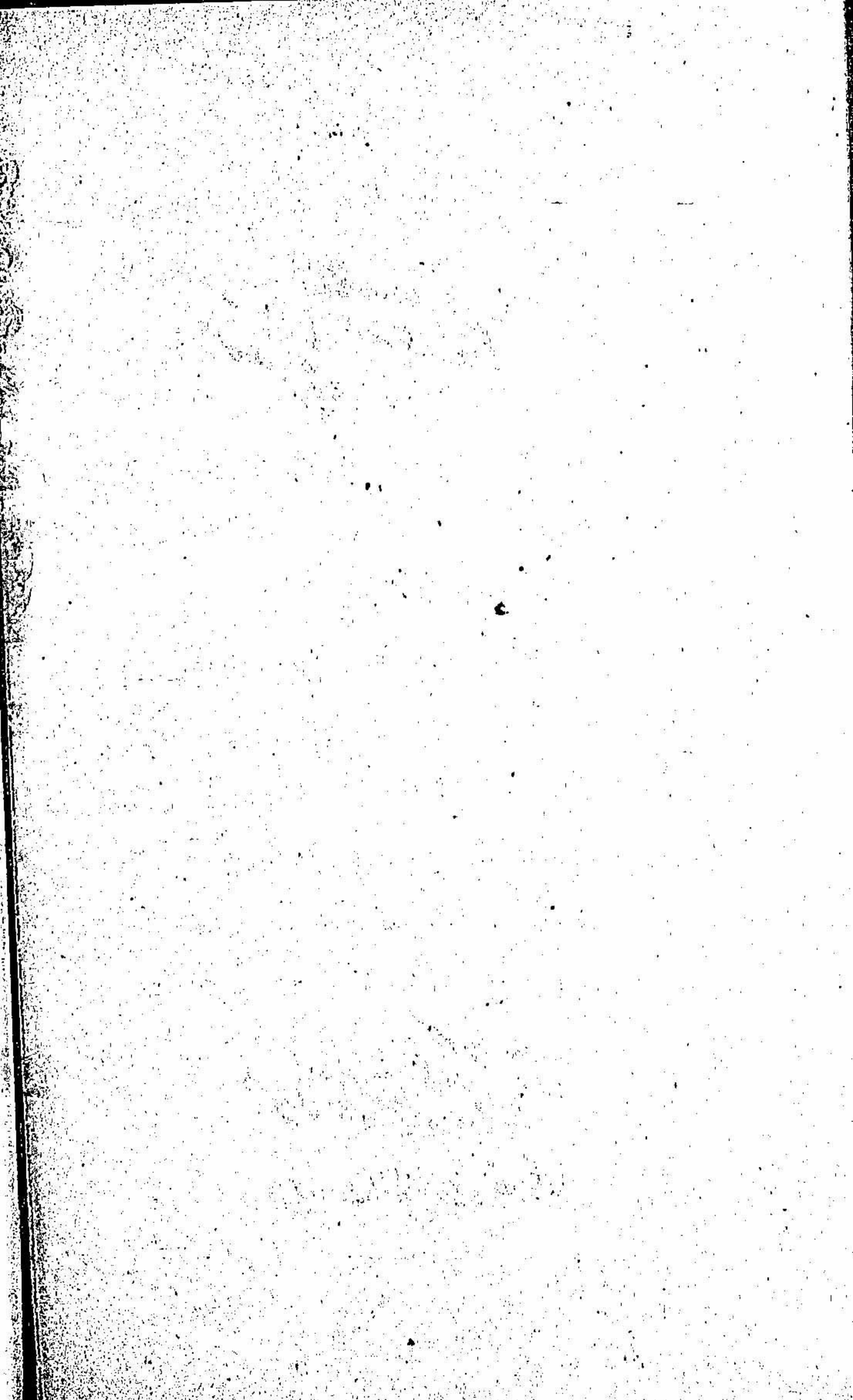
سب کے ساتھ نیکی ٹھیک نہیں، کہ تم بے وقوف سمجھ کر لوٹ لی جاؤ، پھر منہ دیتی  
رہ جاؤ، بے جانیک مزاجی، بے محل سعادت مند یا بے وقوفی میں شامل ہے۔  
آخر میں دعا اور معمولات کا بیان کرتے ہوئے آخری مشورہ دیتی ہیں۔  
”تم دنیا کے سارے کام کرتی ہو، اور دن بھر دنیا کے دھندے میں  
لگی رہتی ہو، محنت کرتی ہو، تھکتی ہو، اگر تھوڑا وقت اس کے لئے (دعا کے لئے)  
نکال لو تو تمہیں دنیا و آخرت کا فائدہ حاصل ہو جائے گا، اور تم اللہ کے ذمے  
ہو جاؤ گی، انہیں دعاؤں کی برکت سے مجھے وہ وہ حاصل ہوا کہ میرا دل  
جانتا ہے، میں اس منعم حقیقی کا شکر یہ کس زبان سے ادا کروں سے  
میں کس قابل تھی اے لوگو! جہاں ہیں  
مگر سب کچھ دیا اس نے بلا کے“



سر اسرار شفاء

مولانا سید ابوبکر حسنی

(ایم، اے، انٹاڈنہرو یونیورسٹی، دہلی)



## سر اپا شفقت

مرحوم میری رشتہ میں چچی اور کچھو کچھی تھیں، ان کے صاحبزادہ مولوی ابوالحسن علی صاحب کے ہم عمر اور ہم سبق ہونے کی وجہ سے نیز اس لئے کہ ہم دونوں نے ایک ہی گھر اور عرصہ تک ایک ہی سایہ عاطفت میں ایک زمانہ گزارا تھا، اور تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا، اور ان کی محبت و شفقت کا لطف اٹھایا۔

مرحوم سر اپا شفقت ورافت تھیں، ان کے مزاج میں تڑش رولی نام کو نہ تھی، ہاں احب فی اللہ والبعض فی اللہ کے مظاہر بدرجہ اتم موجود تھے، ورنہ عموماً وہ سب پر شفقت فرماتی تھیں، پھرے کی شگفتگی، زیر لب مسکراہٹ، خندہ پیشانی نرم آواز، ہر طرح کی دجھولی دل بستگی، بہر کس و ناکس کے کام آنا، رنج و راحت میں شریک ہونا، یہ سب شفقت کے مظاہر اور محبت ورافت کے تقاضے ہیں، اگر یہ تقاضے عاقبت سنوارنے اور انجام بنانے کے لئے ہوں تو یہ خالصتہ لئہ ہو جاتے ہیں، اما ابی کے اندر

یہ سارے تقاضے اور مظاہر اسی لحاظ سے تھے، ان کی نظر ہمیشہ انجام پر رہتی تھی اور اسی لئے غریبوں پر بیسیوں پریشانیوں پر مظلوموں پر خاص عنایت کی نظر رکھتی تھیں، کسی غریب کو دیکھا تو اس آیا، پاس بٹھایا سا حال بنا، دجھولی کی صبر کی تلقین کی، ضرورت پڑی کھلایا، پلایا اور یا کسی قسم کی مدد کی، بچہ رویا، کان کھڑے ہو گئے، بیکس، اٹھایا، قابو میں نہ آیا اس کی ماں کو آواز دی، ڈانٹا ڈپٹا، اس کی بے توجہی پر سرزنش کی، اور اس کی گود میں بٹھا دیا۔

یتیم کی مرچھالی ہوئی صورت پر نظر پڑی ادلی تڑپا، قریب بلایا بھلایا، باتیں کہیں اور خوش کیا، مظلوم کو روتے دیکھا، آنکھیں سرخ ہو گئیں، رگیں پھول گئیں، پوچھا پوچھا حقیقت معلوم ہوئی زیادتی کرنے والے کو بلایا،

اس کو شرم دلائی، اللہ کی وعیدیں یاد دلائیں، مکافات کا اقرار کرایا، اور رخصت کیا، مسافر آیا، خبر ہوئی، فوراً کھانے پینے لیٹنے سوتے کا انتظام کرایا اور جب سارے انتظامات مکمل ہو گئے تو اطمینان سے بیٹھیں۔

ان کی چونکہ شفقت عام تھی، اس لئے ہر شخص کی بھلائی پیش نظر رہتی اور برابر یہ کوشش رہتی کہ اس کو ایسی باتیں بتانا چاہئے، جن سے اس کی عاقبت درست ہو۔ وہ کسی کی بری باتوں پر بہت افزائی نہ کرتی تھیں، بلکہ نہایت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوتیں، غلطی اور برم پر سخت وسست کہتیں اور نصیحتیں کرتیں، ہمیشہ کہا کرتیں کہ "انھیں کی بھلائی کے لئے ایسا کہتی ہوں میں نہیں چاہتی کہ کوئی انگلی اٹھائے۔ یا اللہ تو"

کی ناراضگی کا باعث ہو، بچیوں کو جمع کرتیں انھیں نماز کی تاکید کرتیں، کلام مجید کی تلاوت کا شوق دلاتیں، چند اہم سورتیں یاد کرائیں، ان کے فضائل بیان کرتیں، پھر جب کبھی لڑکیاں ملتیں تو ان سے دریافت کرتیں، اور جب معلوم ہوتا کہ فلاں لڑکی نے اتنی سورتیں یاد کر لیں ہیں، بڑی خوش ہوتیں، دعائیں دیتیں، اور مختلف قسم کے اوراد و وظائف بتاتیں۔

رہنے سہنے، ملنے جلنے کے طریقے بتاتیں، اچھی صحبت کی تاکید کرتیں۔ اور بری صحبت کو منع کرتیں۔

اسی طرح جب کوئی خاندان کا لڑکا سامنے آجاتا، اس کو بھی اسی طرح کی نصیحتیں فرماتیں۔

باہر سے کوئی عزیز آتا تو بڑی شفقت سے پاس بٹھاتیں، خود پائنتیں بٹھتیں اور اس کو سر ہانے بٹھاتیں خواہ وہ کتنا چھوٹا ہو، اگر وہ نہ مانتا تو سر ہانے بٹھید جاتیں مگر پیر کبھی نہ پھیلاتیں، خواہ ان کو کسی تکلیف کیوں نہ ہو، پھر مزاج پر سی کرتیں اور تمام ان لوگوں کا حال دریافت کرتیں، جن سے وہ مل کر آیا ہے، یا جن کے ساتھ وہ رہتا ہے، بیماری کی باتیں سن کر فوراً دوا بتاتیں (وہ نصف طبیب تھیں) چٹکوں میں علاج کرتیں، وقتاً فوقتاً مرہن کا حال دریافت کرتیں، ازمانہ گرمی کا ہو یا جاڑے کا یا موسم ہو برسات کا، ہر حال میں سب کی فکر رکھتیں، کسی کو گرمی لگ رہی ہے تو پنکھا دیتیں، جاڑا لگتا ہو تو اوڑھنے کا انتظام کرتیں، بارش ہوئی ہو تو کھلی جگہ جانے نہ دیتیں،

کہیں اگر سبلی کرٹاک اور اندھیری شب ہے تو سفر نہ کرنے دیتیں، نہ بازار جانے دیتیں، اور وقت  
خاندان کے بچوں کی فکر، کوئی ننگے پیر تو نہیں، سر پر ٹوپی ہے کہ نہیں، صبح کر بولتا تو نہیں،  
جھگڑے تو نہیں کرتا، کسی سے تو تو میں میں تو نہیں کرتا، زیادہ کھیلتا تو نہیں، ماں باپ  
کا کہنا مانتا ہے کہ نہیں، کسی بڑے سے گستاخی تو نہیں کرتا، غرض بچہ کی ہر حرکت پر نظر رہتی  
اگر لڑکے بڑے ہیں یا لڑکیاں سیانی ہو گئیں ہیں، تو ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتیں، ان کی  
غلطیوں پر ٹوکنا، سمجھانا، بھانا، بزرگوں کے واقعات سنانا، کتاب و سنت کی روشنی میں  
ان کو آداب گفتگو، آداب خورد و نوش، آداب نشست و برخاست بتانا، اور یہ سب  
نہایت نرم لہجہ میں ہی وجہ ہے کہ ان کی نصیحتیں دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جائیں  
ان کی شفقت کا اندازہ لگائیے عمر ۸۰ سے تجاوز کر چکی ہے، انتہائی نقاہت  
اور کمزوری ہے، آئے دن کوئی نہ کوئی عارضہ بھی لگا رہتا ہے، خود چل پھر بھی نہیں سکتیں  
سوائے چند قدم کے اور وہ بھی اس طرح کہ چند قدم پر اتنا ٹکانا ہو جائے کہ پھر لیٹے بغیر  
مفر نہیں، میں دہلی سے وطن (تکیہ کلاں رائے بریلی) پہنچا، اسی دن میں اپنی قریبی عزیزہ  
والدہ محمد ثانی حسنی کے پاس گیا وہاں تھوڑی دیر بیٹھا تھا کہ دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ قدم  
اٹھائے چلی آرہی ہیں، میں حیران اور شرمندہ میں نے عرض کیا "چچی بھو" آپ کیوں یہاں  
تشریف لے آئیں، میں تو خود ابھی آپ کے پاس حاضر ہوتا، فرمانے لگیں "تم نہ جانے کب  
آتے، مجھے معلوم ہوا کہ تم یہاں بیٹھے ہو تو میرا جی چاہا کہ میں ہی ہواؤں، اس میں کیا حرج  
چلنا پھرنا ہوتا نہیں، معذوری ہو گئی ہوں، ورنہ فوراً آتی" اس شفقت کا کیا ٹھکانہ



ایک دن میری لڑکی (حصہ سلمہا) سے کہنے لگیں تم لکھنا نہیں جانتی ہو؟ کہا  
 احمد اللہ لکھ پڑھ لیتی ہوں فرمایا تو تم مجھے سلام کیوں نہیں لکھتیں، عرض کیا، میں تو برابر لکھتی  
 ہوں، غالباً آپ تک کوئی میرا سلام پہنچانا نہیں، فرمایا اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ تم کو  
 کچھ سورتیں یاد ہیں؟ دیکھو فلاں فلاں سورہ یاد کر لو، ان کے یہ فوائد ہیں، یہاں سے پاس  
 آیا کرو ہم انشاء اللہ تمہیں بہت سی باتیں بتائیں گے۔

آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی، مگر چند ہی نفوس ہوں گے جن کو اس کا علم تھا،  
 کبھی اپنی زبان پر شکایت نہ لائی تھیں، اسی دوران میں ایک بیٹی کے مکان کے بعض حصوں  
 کی تعمیر جدید ہوئی، روزانہ دریافت کرتیں، اب کتنا کام ہوا اور کیا باقی ہے، اور ایک  
 دن تو دیکھوئی کی خاطر دوسروں کے سہارے اس گھر میں گئیں اور درو دیوار کو ہاتھ سے  
 مس کر کے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

انتقال کے وقت تقریباً ان کی تیرا توے سال کی عمر ہوگی کمزوری حد سے  
 زیادہ تیز ذکر چکی تھی، مگر معمولات، اور ادو وظائف میں کوئی کمی نہ آتی تھی، اور شام کو  
 عصر سے پہلے حسب معمول کلام بید کے منتخب رکوع پڑھ کر نہ جانے کتنے اعزاز پر  
 جن میں مرد و عورت، بچے، بوڑھے سب شامل ہوتے تھے، دم کرتی تھیں، اور مکان کی  
 کبھی شکایت نہ کرتی تھیں، اور دم کبھی ایک بار نہیں، کئی کئی بار دیکھنے والوں کو  
 ترس آتا تھا، بعض وقت تو ان سے کہا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ دم کر دیجئے مگر وہ کبھی  
 نہ مانتیں اور جتنے بھی آدمی آتے ان پر دم کرتا جاتیں۔

اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا جس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ ان کی شفقت کیسی تھی، اور کس قسم کی تھی۔

ان کے صاحبزادہ جو علی میاں کے عرف سے مشہور ہیں، (اللہ تعالیٰ ان کو زندہ اور تندرست رکھے اور ان سے قوم کو برابر نفع پہنچاتا ہے، آمین) بچے تھے نہ جانے انھوں نے کیا کیا کہ ایک خادمہ جو ان کے گھر میں کام کرتی تھی، منہ بنا کر ہوئے آئی اور کہنے لگی کہ بی بی دیکھو علی میاں نے میرے بچے کو مارا۔ سننا تھا کہ تیور بدل گئے، بغیر مزید تحقیق کے اس کے بچے کو بلایا اور کہا "مار علی کو" اس کا ہاتھ نہ اٹھا، ادھر اس کی ماں بڑی نحیف، اس کا منہ پر نہیں تھا کہ علی میاں مارے جائیں، وہ صرف تادیب چاہتی تھی، علی میاں کہنے لگے "بی بی میں نے مارا نہیں ہے، نہیں تم نے ضرور مارا ہو گا، پھر اس کے لڑکے سے کہا "مارا مارنا کیوں نہیں تو ایسا ہی مار جیسا علی نے مارا ہے، جب وہ لڑکا آمادہ نہ ہوا تو ابلی نے کہا علی اچھا اس سے معافی مانگو، ہاتھ جوڑو، کہو آئندہ کبھی ایسا نہ کریں گے۔ علی میاں خاموش کھڑے ہیں، ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں، معافی مانگ رہے ہیں، ادھر اس کی ماں شرم سے عرق عرق، اس کو کبھی ایسا تجربہ کب ہوا ہو گا، اور یہ سارا واقعہ سب عزرا دیکھ رہے ہیں، جس میں یہ راقم الحروف بھی تھا۔

عزیز کی ماں اور بچہ پر شفقت کہ ان کا دل رکھا اپنے بچہ پر شفقت کر بے راہ روی سے بچایا۔ دونوں کے لئے سبق، ایسے نہ جانے کتنے واقعات ہوتے رہتے تھے اور ان کا یہی دستور تھا کہ جس کی غلطی دیکھی تنبیہ کی خواہ اپنا بیٹا ہو یا بیٹی، قریبی عزیز ہو یا

دور کا ہمیشہ حق کہنا، عدل و انصاف کرنا اور سب سے محبت و شفقت سے پیش آنا  
 شفقت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ دوسروں کی غلطیوں پر بے جا غصہ کا اظہار نہ  
 کرے، نرم خوئی سے پیش آئے، چنانچہ ان کا حال یہ تھا کہ جہاں دوسرے فاش غلطی سے  
 پھیر جائیں یا آگ بگولہ ہو جائیں، وہاں وہ سلامتی کی راہ نہ چھوڑتیں، اونچ نیچ سے آگاہ  
 کرتیں، اللہ و رسول کا واسطہ دلاتیں، اور کام کی باتیں کرتیں کہ سانپ مرے اور لٹھی بھی  
 نہ ٹوٹے۔

ان کی شفقت کے آداب جب یاد آتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں  
 بھی اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے آدمی پیدا کئے۔

ذرا آپ ملاحظہ فرمائیں، آخری ایام عمر کے ہیں، پیاس معلوم ہو رہی ہے، خود چل  
 نہیں سکتیں، مگر کسی سے اپنی ضرورت کہنے کو تیار نہیں، کوئی لڑکی سامنے پر گئی اور اس کی  
 آہٹ ملی، تو پوچھا کون؟ کہا فلاں؟ اچھا اس نے کہا کوئی ضرورت کہا نہیں، کہا فرمائیے کہا  
 (عائشہ) کو ذرا بلا دو۔ پانی تو نہ چاہئے؟ اب تم کہاں تکلیف کر دگی، لڑکی بسکی اور پانی  
 قریب میں تھا لا کر دیا، اب پانی پیتی جاتی ہیں، اور دعائیں دینے چلی جا رہی ہیں، بڑی تکلیف  
 ہوئی، اللہ تمہیں خوش کرے، دیر سے پیاس لگ رہی تھی، تم نے بڑا کام کیا، خوش رہو،  
 اللہ کی مرضی حاصل ہو۔

امت اللہ تسنیم صاحبہ نے ان کی جتنی خدمت کی وہ قابل صدر رشک، مگر وہ کچھ  
 ایسی خود دار بھی تھیں کہ حتی الامکان کسی اور سے کچھ کہتی بھی نہ تھیں، ایک موقع پر آرام کے

وقت انھیں محسوس ہوا کہ کوئی پیرواب رہا ہے، پوچھا کون؟ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ  
 میں "دوسرا ہاتھ کس کا ہے؟ بولیں" راجہ "کہنے لگیں، ارے تم کیوں داب رہی ہو؟"  
 بس کافی ہے، ایسا درد نہیں، بس، بس، بڑی مشکل سے یہ سعادت تھوڑی دیر کو نہیں  
 اگر ایسے واقعات قلمبند کئے جائیں، تو کتاب ہو جائے جو مطلوب نہیں،  
 بات یہ ہے کہ شفقت کے ان میں وہ مظاہر دیکھے کہ جن سے اللہ کی یاد تازہ ہو جائے  
 اللہ انھیں درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔



# چند تعزیت نامے

والدہ صاحبہ مرحومہ کے انتقال کے بعد برائے تعزیت آنے والوں کے علاوہ جن کی تعداد بکثرت تھی تقریباً ساڑھے تین سو اور پونے چار سو تعزیتی خطوط آئے ان خطوط میں صرف چند خطوط نمونہ دیکھے جا رہے ہیں، جو مشہور دینی شخصیتوں اور اہل مسلم حضرات کے ہیں۔

# لکھنے والے

۱۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث

۲۔ حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی

۳۔ مولانا عبد الباری صاحب ندوی

۴۔ مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی

۵۔ مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی

۶۔ مولانا انعام الحق صاحب کاندھلوی

۷۔ سید عبدالرب صاحب صوفی

۸۔ امیر شریعت بہار مولانا منت اللہ صاحب رحمانی

۹۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

۱۰۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

۱۱۔ میاں طفیل محمد صاحب

۱۲۔ جناب تخلص بھوپالی

۱۳۔ رشید احمد صاحب صدیقی

سہارنپور

بھوپال

لکھنؤ

بارہ بنکی

دہلی

دہلی

اناؤ

مونگیر (بہار)

کراچی

کراچی

لاہور

بھوپال

علی گڑھ

## مکتوب

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی

مکرم محترم مد فیوضکم! بعد سلام مسنون، اسی وقت مولوی نصیر صاحب نے  
 اخبار الجعیتہ میرے پاس ایک شخص کے ہاتھ بھیجا کہ یہ چند سطور مجھے سنا دیں  
 اس میں حادثہ جانکاہ کی اطلاع تھی، اس سے بہت ہی زیادہ رنج و قلق ہوا، فکر تو  
 کئی دن سے مولوی معین اللہ صاحب کے خط سے سوار تھی، انہوں نے لکھا تھا کہ  
 والدہ محترمہ مرحومہ کی شدت علالت کا تار آپ کو بھوپال دیا گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ  
 رَاجِعُوْنَ۔ اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیء عندک الی اجل  
 مستثنی۔ اللہ جل شانہ درجات عالیہ نصیب فرمائے پسماندگان کو بالخصوص آپ کو صبر جمیل  
 اجر جمیل عطا فرمائے مرحومہ کیلئے تو آپ جیسا خلف صدق صدقہ جاریہ ہونے کے لئے کافی  
 سے بھی زیادہ ہے اجاب سے دعا مغفرت و ایصال ثواب کی تاکید کر دی اور یہ ناکارہ تو  
 انشاء اللہ آج ہی رات کو قرآن ختم کرنے والا ہے وہ والدہ مرحومہ کی خدمت میں پیش  
 کرنے کا ارادہ کر چکا ہے گھر کی بچیوں کو بہت تاکید کر دی ہے ان بچیوں کو اللہ بہت ہی بزرگے خیر  
 دے کہ انکے یہاں مخصوص اکابر و اعزاکیلئے ختم قرآن اور ختم کلمہ طیبہ کا بہت ہی اہتمام ہو جاتا ہے  
 جملہ اعزاز کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد تعزیت کا مضمون پیش کر دیں  
 عزیز محمد ثانی موجود ہوں تو ان سے کبھی اور ہمشیرہ و اہلیہ سے کبھی سلام مسنون۔  
 (مارچ ۲۸ ۱۳۸۵ھ)

## مکتوب

حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجذبی (بھوپال)

والا تبار جناب مکرم و معظم جناب مولوی سید ابوالحسن علی میاں صاحب، ادام اللہ برکاتہ علینا  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خبر وحشت اثر جانکاہ معلوم

ہوتے ہی اس ناکار و معصیت آلودہ غفلت شعار نے فی الفور خطر روانہ کیا تھا،  
اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خط نہیں پہنچا جناب والا صفات مولوی قاری  
حافظ محمد عمران خاں صاحب تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت عاصی کا ارادہ  
ان کے ہمراہ حاضر ہونے کا ہو گیا تھا، اس کے بعد یہ جذبہ بہت بڑھا مگر بعض  
عوام اور مجبور یوں نے مانع رکھا، حضرت محترمہ انشاء اللہ تعالیٰ بفضل منان  
کرم الہی اللہ جل شانہ کے دربار میں اس حیات و عزت و عیش ابدی میں شامل  
ہوئی ہوں گی اس کے بعد لا یمسہم فیہا نصب و ملہم منہا بخرجین  
حضرت فردوس مکان کے برکات بفضل منان جاری و ساری انشاء اللہ ہیں گے

ہرگز نمیرد آنکہ لیش زندہ شد عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرات پیمانندگان و وابستگان و مخلصان اور یہ عاجز دور افتادہ معصیت

آلودہ اور اس کا تمام گھر جو چیز ہم پر واجب اور ضروری ہے اور ہماری ترقی کا باعث



ہے یعنی دعائے رحمت و برکت و مغفرت میں مشغول ہو کر اپنی اصلاح و بہبودی پیدا  
کر رہے ہیں۔

عطر کی مٹی میں بھی مل کر ہلکتی نہیں

توڑ بھی ڈالو تو ہیرے کی چمک جاتی نہیں

عاجز دور افتادہ معصیت آلودہ پر اس وقت بہت افسوس ہے کہ حاضر نہ ہو سکا

اور اس سعادت سے محروم رہا۔ فقط

محمد یعقوب مجددی

خانقاہ مجددیہ پیر دروازہ بھوپال

۸ ستمبر ۱۹۶۵ء

## مکتوب

مولانا عبدالباری صاحب ندوی

(سابق انتاؤ فلسفہ و دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد)

برادر جلیل القدر، علیکم صلوات من ربکم ورحمۃ

آپ کی حضرت والدہ ماجدہ رحمہا اللہ کی اخبار سے خبر وفات پائے ہوئے  
تین دن ہو چکے اصل میں تو خود بھی حاضر ہونا تھا، لیکن اپنی معذوریوں کی وجہ سے  
نیم حاضری میں بھی اتنی دیر ہو گئی ہیں تو عموماً خود خدا کی فرمائی ہوئی اور سکھائی ہوئی  
تعزیت، بشر الصابرين الذین - تا - انا لله وانا الیہ راجعون کی کچھ  
تفصیل سے کر دیا کرتا ہوں، لیکن آپ جیسے اشار اللہ صاحب ایمان و صلاح  
کے لئے کسی تفصیل کی بھی ضرورت نہیں، پھر آپ کی والدہ محترمہ مرحومہ خود جیسی مومنہ  
صاحبہ بلکہ ولیہ تھیں اور اخبار سے معلوم ہوا کہ حافذ بھی تھیں انشاء اللہ ایسی  
صاحبہ احوال مومنہ اپنے مالک و مولا کے پاس پہنچ کر ہر طرح اس کی نوازشوں  
اور رحمتوں سے مالا مال ہو رہی ہوں گی، اللھم زد فرزد - پھر بھی عارضی مفارقت  
کا الیہم راجعون کے باوجود ایک طبعی رنج و غم تو ہوتا ہی ہے، اس کے  
باوجود صبر کتنی بڑی بشارت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ پس ماندگان پر اولاد  
علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ کی بارش ہو رہی ہوگی۔

بدوی کا وہ شعر بھی یاد آ گیا جس سے زیادہ حضرت عبدالعزیز بن عباس کو کسی کی  
تعزیت نہ تسلی نہیں دی تھی۔

خیر من العباس اجرک بعدا  
والله خیر منک للعباس

عبدالباری غفرلہ

## مکتوب

مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی

دریا بادی ضلع بارہ بنگلی

برادر م السلام علیکم!

مبارک ہے وہ ماں جو ایسی خادم دین و ملت اولاد جنے۔

مبارک ہے وہ اولاد جسے ایسی مومنہ صالحہ کی خدمت کی سعادت اتنے

دن تک نصیب ہے۔

رحمن و رحیم کی شفقت و رحمت کا پر تو اگر دنیا میں کہیں نظر آسکتا ہے،

تو ماں ہی کی ذات میں۔

سن کچھ کھلی ہو جائے جب تک ماں زندہ ہے لڑکا لڑکائی بنا رہتا ہے اپنے

سن کا احساس تو اس سایہ سے محرومی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

بہر حال اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ کو توفیق صبر جمیل کے

سلسلہ میں کچھ لکھنا لکھنا تقمان کو حکمت کا سبق دینا ہے۔

ہم اے ہاں کی لڑکیاں بھی مرحومہ کے نام اور کام سے خوب باتیں تھیں اور گھر میں

تو ان کی زیارت بھی کر چکی تھیں رنج و غم میں وہ سب شریک ہیں۔

والسلام۔ دعا گو و دعا خواہ

عبد الماجد

۶۶۸/۹۲

## مکتوب

مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی

صدر مجلس مشاوری ہند

حضرت مولانا مدظلہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۳۱ اگست سے مسلسل سفروں پر رہا پرسوں شام واپسی ہوئی ہے امیر اتار

مل گیا ہوگا، حضرت مخدومہ والدہ صاحبہ کا حادثہ رحلت پوری ملت کا حادثہ ہے

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ مدت مدید سے علیل تھیں اور پیرانہ سالی کے

اثرات بھی قدرتی تھے، مگر یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اس قدر جلد سفر آخرت طے کرنے

والی ہیں، دہلی آپ کی تشریف آوری بھی اس کی علامت تھی، میری دلی تمنا تھی کہ مرحومہ

کی حیات مبارک میں رائے بریلی کی حاضری ہوتی مرحومہ کے غیر معمولی کمالات اور

خصائل حمیدہ مشہور و معروف ہیں ان کا شمار دنیا سے اسلام کی منتخب برگزیدہ

نوائین میں ہوتا تھا، پیکر علم و عمل اور محبہ تقویٰ و طہارت، صد افسوس آپ ایسے

بارکت سایہ سے محروم ہو گئے، ماں بیٹے کا تعلق یوں بھی بے مثال سمجھا جاتا ہے مگر

آپ کا تو معاملہ ہی دوسرا تھا، مرحومہ آپ کے لئے ماں بھی تھیں اور شفیق باپ بھی انکی

پاک مقدس اور اعلیٰ درجہ کی تربیت نے بیٹے کو اس مقام پر پہنچا دیا ہزار ہزار رحمتیں

ہوں ایسی تربیت دینے والی اور بیٹے کی پرچھائیں پر قربان ہونے والی ماں پر۔

اس سانحو المناک پر آپ کا قلب جس قدر افسردہ و غمگین ہوگا، اس کا اہم لوگوں کو جن کو  
 آپ سے شرف تقرب حاصل ہے، پوری طرح اندازہ ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دولت صبر و  
 رضا سے نوازیں۔

صبر الرعیۃ عند صبر الرأس

اصبرنک صابریں فانما

واللہ خیر منک للعباس

خیر من العباس اجرک بعدک

علیق الرحمن عثمانی

۱۰ ستمبر ۱۹۶۸ء

## مکتوب

مولانا النعام احسن صاحب کاندھلوی

بستی حضرت نظام الدین دہلی

مخدوم مکرم معظم محترم مدظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اخبار الجمعیتہ کے حوالہ سے والدہ محترمہ کے

حادثہ فاجعہ کی اطلاع سے صدمہ پہونچا اللہ جل شانہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جسگ

مرحمت فرمائے۔

پرانی ہستیاں اٹھتی چلی جا رہی ہیں اللہ جل شانہ پورے عالم پر رحم فرمائے، ایک

قرآن پاک پڑھو کر ایصال ثواب کر دیا گیا ہے، ہم بھی دعاؤں کے محتاج ہیں اور درخوا

کرتے ہیں معلوم نہیں آپ بھوپال سے پہونچ گئے تھے یا آپ بھوپال ہی تھے، پرسان

حال کی خدمت میں سلام عرض فرمادیں۔

ہمارے گھر والوں کو بہت ہی صدمہ ہوا اور یہ قلق ہوا کہ زیارت نہ ہو سکی، کئی

ہیں کہ ہمیں بڑی آرزو تھی اور امید تھی کہ ملاقات ہو ہی جائے گی۔

محمد النعام احسن غفرلہ

## مکتوب

سید عبدالرب صاحب صوفی

باسمہ سبحانہ۔ مکرم و محترم بندہ جناب مولانا علی میاں صاحب زیدت معالیکم۔  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج یکم ستمبر ۱۹۸۰ء کو ابھی ۸ بجے صبح طارق میاں

اجتار قائد مورخہ ۲ ستمبر لائے اور آپ کی والدہ ماجدہ وقت کی رابعہ بصریہ کے انتقال پر طلال  
کی خبر پڑھ کر سنائی یہ سفر تو ہر ایک کو درپیش ہے لیکن ہرگز نہ والے اپنے پسماندگان کیلئے مختلف

اثرات چھوڑ جاتا ہے مرحومہ کی موت نے ان کو تو بابِ رحمت سے روح و ریحان و جنت نعیم میں

پہنچا دیا اور ابدی سکون و راحت اور عیش و عشرت کے انعامات و اکرامات نصیب فرمائے

لیکن پسماندگان یقیناً ایک مخصوص رحمت، دعا و برکت سے محروم ہو گئے مگر اس کا قلق

ہے کہ آپ کیلئے خائب و حاضر ہر حال میں دعا کیلئے ماتا کے اخلاص کے ساتھ ہاتھ پھیلانے والا

اب اس دنیا میں اس درجہ کا کوئی نہیں رہا ان کا مزار مبارک تھوٹے ہی فاصلہ پر ہو گا جہاں

پہنچ کر اور ایصالِ ثواب اور زیارتِ قبر کر کے ضروری درجہ کا سکون پاسکتے ہیں لیکن اب وہ

بات کہاں کہ آپ ملک یا بیرون ملک میں سفر پر ہوں اور آپ کی سلامتی، راحت، عزت اور

رفح درجہات کیلئے مزاوت کے ساتھ مقبول دعائیں ہو رہی ہوں اور آپ کو پا کر جس لہک اور

ماتلے سے مادرِ مرحومہ کا دل امنڈتا تھا اب وہ جذبہ صادقہ دنیا میں کہیں طیر نہیں آسکتا وہ تو

اس دل کے ساتھ پیوندِ خاک ہو چکا، علی میاں کی دوری سے بیتاب ہونے والے اب بھی خدار کھے



الحمد للہ بہتیرے موجود ہیں، لیکن وہ آہ آہ آنسو، وہ تخلص، وہ سوزش کہاں، عزیز می مولانا  
 سید محمد ثانی سلمہ اور دوسرے اہل سعادت اب بھی اہل دعا موجود ہیں۔ اللہم زد خزد۔  
 لیکن باب رحمت پر ہاتھ پھیلانے والی کنج کج میں جا سولی، آپ بارخ ہی نہیں ضعیف الع  
 بھی ہو چکے، اور آپ پر لفظ بسیر کا اطلاق موزوں نظر نہیں آتا، لیکن آپ کی پیاری اماں جا  
 رحمۃ اللہ علیہا آپ کو اب بھی طفل ناتواں کی طرح پالتی تھیں اور ان کو اب بھی علی کے منہ  
 سے دودھ ہی ٹپکتا نظر آتا تھا اور خود آپ کے جذبات کا بھی یہی عالم تھا جیسا اس خورد سال  
 بچہ کا ہوتا ہے جو ہر اذیت ہر کلفت ہر ناگواری اور ہر ضرورت پر آغوش مادر کی پناہ گاہ کی  
 طرف بھاگتا ہے، اس حال میں آپ اپنے والد ماجد اور برادر معظم کے ساپوں سے محروم ہو کر  
 بھی ایسے خستہ حال نہ ہوئے ہوں گے جیسی خستگی اور داماندگی اب محسوس کرتے ہوں گے بیشک  
 آپ اس وقت دجھولی اور بہردی کے مستحق ہیں اور میری اہلیہ آپ کے اس نقصان عظیم  
 اور صدمہ بے کراں اور غم بے پایاں میں آپ کے شریک حال ہیں، تلقین صبر کے ساتھ مشا  
 دعاؤں سے حق خدمت ادا کرتا ہوں اور مرحومہ کے لئے ایصال ثواب اور رحمت و مغفرت و  
 قرب رضا اور مقصد صدق مخصوص کی دعا کرتا ہوں اندر اندر خود بھی یہ اثر محسوس کرتا ہوں کہ  
 مجھے بھی اس نقصان کا صدمہ پہنچا ہے اور میری جیب سے بھی ایک متاع گرانہا ضائع ہوئی ہے  
 اللہ تعالیٰ آپ کے خاندان میں کہ اس خانہ تمام آفتاب اس راجعہ بصریہ کی مثالیں پیدا کر کے اس نقصان  
 کی تلافی فرمائیں کہ ایک چراغ کے بعد دوسرے روشن ہوتے پہلے وریہ سلسلہ ختم نہ ہو، آمین ثم آمین

مشریک غم دعا گو عبدالرب صوفی  
 ۲۷ بدھواری اناؤیکیم ۹/۶۸ بکشنیہ

# مکتوب

مولانا سید منت الشرح صاحب رحمانی

امیر شریعت بہار و اڑیسہ خانقاہ رحمانی مونگیر

مکرم و محترم زید محمد کم و علیکم السلام ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ موصول ہوا ابھی دلی میں جناب سے ملاقات ہوئی تھی والدہ مرحومہ کی

علالت کا بھی کوئی ذکر نہ آیا کہ اچانک اس خط کے ذریعہ حادثہ ارتحال کی خبر ملی انا اللہ وانا الیہ

راجعون یقیناً اس رحمت کے سایہ کا اٹھ جانا بڑا حادثہ ہے مگر رضا باالقضاء وظیفہ و عبودیت

ہے اور استرجاع تعلیم نبوت۔

اعظم اللہ اجرکم و احسن عزاءکم و غفر لکم

یہ بات باعث طمانیت ہے کہ والدہ مرحومہ نے اپنی آنکھوں سے دین کے کاموں اور

رضنا اللہ کے اعمال میں مصروف و مشغول دیکھا۔

یہاں ہم لوگوں نے تین دنوں تک والدہ مرحومہ کے لئے ختم قرآن اور ایصال

ثواب کیا ہے خدا قبول فرمائے۔

والسلام

منت الشرح

۱۲/۹/۶۶۸

# مکتوب

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر دارالعلوم کراچی

کرم فرمائے محترم حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب دامت برکاتکم  
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کاتہ، گرامی نامہ سے والدہ ماجدہ کی وفات کا علم  
 ہو کر صدمہ پہنچا والدہ کا سایہ شفقت سبھی کے لئے نعمت عظمیٰ ہے خصوصاً اہل علم جو  
 حدیث مان کی زیارت حج و عمرہ کے برابر پڑھتے ہیں، ان کو اس کا احساس بھی سب سے  
 زیادہ ہوتا ہے یہ ناکارہ بھی چند سال پہلے اس منزل سے گذرا ہے اور آج تک والدہ کی  
 شفقتیں اور ان کی خدمت و زیارت سے حاصل ہونے والی سعادت سے محرومی کا  
 قلق دل سے نہیں جاتا، انشاء اللہ کل دارالعلوم میں ختم قرآن کر اکر ایصال ثواب کرونگا  
 اللہ تعالیٰ مرحومہ کو مغفرت ظاہرہ و باطنہ سے سرفراز فرمائیں اور آپ کو صبر جمیل  
 عطا فرمائیں۔

ان اللہ ما اعطی ولہ ما اخذ وان حق اللہ عوضاً من کل

قانت وانما اطعموم من حرم الثواب آپ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے

والسلام محمد شفیع عفا عنہ

۱۹/۶/۸۸ھ

# مکتوب

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

گرامی مآثر و گراں مفاخر صاحب الآثار المعقبہ مولانا ابوالحسن صاحب

احسن اللہ الیہم واجزل لہم الاجر فی مصابہم <sup>لعظیم</sup> آمین

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل برسوں یہ معلوم ہو کر صدمہ ہوا کہ والد ماجد

محترمہ و معظّمہ و اصل بحق ہویں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان اللہ ماخذ

ولہ ما اعطی وکل شیء عندہ الی اجل مسمی، حق تعالیٰ مرحومہ کو اپنی رحمت

و مغفرت و رضوان سے نوازے اور جنت الفردوس نصیب فرما کر سرفراز فرمائے

اور حق تعالیٰ آپ کو اور تمام متعلقین کو اجر جزیل اور صبر جمیل عطا فرمائے آمین

سب ہی کو جاننا ہے اور جاننے کے لئے آیا ہے، لیکن والدہ کی دعاؤں کی برکتوں سے

محرومی اور ان کی خدمت کی سعادت سے حرمان بڑا صدمہ ہے "وفی اللہ عزاء

من کل حالک" صدمہ طبعی ہے اور اس لئے صدمہ کے مطابق اجر و ثواب ملتا ہے

بہر حال آپ نے اللہ تعالیٰ کی امانت اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمادی اور طویل عرصہ

خدمت و دعوات کے ثمرات سے فائدہ اٹھایا اس کا شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا مجھے تو یہ

معلوم نہ تھا کہ والدہ محترمہ کا نفل عاطفت آپ کو اب تک نصیب ہے والد محترم کا

سایہ اللہ تعالیٰ نے اگر جلدی اٹھایا تو والدہ محترمہ کا تاویر زندہ سلامت رکھ کر احسان عظیم فرمایا۔ دست بردار ہوں کہ اللہ تعالیٰ وفات کے بعد بھی روحانی سایہ سے مالا مال فرماتا رہے۔ آمین۔

ومامات من خلف مثلكم  
فلم تمت ہی حیث خلفت مثلكم

محمد یوسف بنوری  
۶ ستمبر ۱۹۶۸ء

# کتوب

میاں طفیل محمد صاحب

امیر جماعت اسلامی پاکستان

محترمی و مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کل "الشہاب" بیروت کے ذریعہ آپ کی والدہ محترمہ کے انتقال کی اطلاع پا کر سخت افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے اور آپ اور دوسرے تمام پسماندگان کو صبر جمیل کا توفیق مرحمت فرمائے، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہاں میرے تمام رفقاء بھی اس سانحہ میں آپ سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں، اور والدہ مرحومہ کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

خاکسار

طفیل محمد

# مکتوب

## جناب تخلص بھوپالی صاحب

محترمی سلام مسنون!

آج مقامی اخباروں میں والدہ صاحبہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر اندر رنج ہوا اس  
 حادثہ عظیم کے بعد ظاہر ہے کہ آپ کی ذہنی اور دماغی الجھنوں میں اضافہ ہوا ہے، اللہ تعالیٰ  
 آپ کو اس صدمہ عظیم کو برداشت کرنے کی بہت عطا فرمائے۔ آمین  
 یہاں ہی کی دعائیں تھیں کہ بیرون ملک میں آپ کو ایک عالم دین کی حیثیت سے اور  
 اندرون ملک ایک معتبر رہبر مخلص رہنا اور ایک عظیم مفکر کے روپ میں پیش کیا اور اب اپنا کام  
 ختم کر کے اپنے اس کارنامہ کا صلہ لینے کے لئے جنت الفردوس تشریف لے گئیں، ماں کبھی مرتی  
 نہیں ہے چلی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مرنے والے کو لوگ بھول جاتے ہیں البتہ جانے والے کو ہمیشہ  
 اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں۔

ہزار سلام ان ماؤں پر جن کے لطن سے انسان پیدا ہوتے ہیں اور لاکھوں سلام  
 اس ماں پر جس نے انسان کو مومن بنا کر اپنا فرض پورا کیا۔  
 اللہ تعالیٰ آپ کو اور دیگر اعزاء کو صبر عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کے غم میں شریک

تخلص بھوپالی  
 خادم

۶۶۸/۹۳

## مکتوب

پروفیسر رشید احمد صدیقی

ذاکر باغ یونیورسٹی علی گڑھ

مخدوم و محترم - سلام مسنون

نیاز کے خط سے آپ کی والدہ معظمہ کی رحلت کی خبر ملی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین۔ جو کچھ لکھتا وہ صحیح معلوم ہونے لگتا ہے اس لئے کہ اقبال کی لازوال نظم والدہ مرحومہ کی یاد میں 'ذہن میں متلاطم اور زبان پر رواں ہو جاتی ہے، اقبال نے اپنی ماں کو جس طرح ہر شخص کی ماں بنا دیا ہے وہ شاعر اور شاعری دونوں کی معراج ہے چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ آپ اسے اور پڑھ لیں۔

اب دعائے نیم شب میں کہیں کو یاد آؤں گا

اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر رہے۔ آمین

مخلص رشید احمد صدیقی

۶۶۸/۹۳



# سفر آنت

ذیل کے اشعار اس طویل نظم کا ایک حصہ ہے جو ہمارے مخدوم و محترم  
جناب صوفی سید عبدالرب صاحب ایم اے صوفی نے والدہ صاحبہ مرحومہ  
کے ارتحال پر اپنے جذبات محبت و عقیدت کے اظہار اور ان کی اولاد اور افراد  
خاندان کی تسلی و تسکین اور دینی موعظت و عبرت کے لئے قلم برداشتہ لکھی تھی  
نظم ایک سو اسی اشعار پر مشتمل ہے یہاں پر اس نظم کا صرف وہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے  
جو عام طور پر پڑھنے والوں اور پڑھنے والیوں کیلئے مفید اور سبق آموز ہے



# سفرِ آختر

خوشا وہ بقعہ نور اولیاء اللہ کا تکیہ  
 وہ تکیہ ہے کو اکب اور مہروماہ کا تکیہ  
 زہے وہ سرزمین وہ شاہ علم اللہ کا تکیہ  
 وہ قبرستان ہے مردانِ حق آگاہ کا تکیہ

وہاں زیر زمین انوار کے صد ہا خزانے ہیں

وہاں مسجد سے تادریا پڑے پر نور زینے ہیں

معطر ذکر حق سے جس کی صدیوں فضائیں ہیں  
 ہفتی جس کی انفاس معنبر سے ہوا میں ہیں  
 مقابر سے جہاں مسموع اب تک صدائیں ہیں  
 کہ جن میں کچھ تلاوت کچھ انابت کچھ دعائیں ہیں

یہیں زیر زمین خوابیدہ ہیں خیرالنساء بہتر

ہیں اپنی قبر میں بھی مہبط نور و ضیاء بہتر

مجھے اس دین پروردگارِ نواہ سے محبت ہے  
 یہی اللہ والوں کی محبت میری یاد و دست ہے  
 اسی پر منحصر انعام توفیق سعادت ہے  
 جو وجہ اتباع دین و تعمیل شریعت ہے

اسی نے اہل دل کو مرتبہ قرب و رضا بخشا

اسی نسبت نے بی بی کو مقامِ اصطفیٰ بخشا

سہانی رات گہری نیند میں جب ڈوب جاتی ہے  
 فضا کے مسجدِ اِعت میں جو مشہور زمانہ  
 ہو جب جاگ کر یا ہو کا نغمہ گنگناتی ہے  
 تو اس قبہ سے یہم ذکر کی آواز آتی ہے  
 صدائے ذکر ہے مسموع کوئی راز ہے بہم

یہاں ہر قبر میں زندہ شہید ناز ہے بہم  
 محبت سے وہ بچوں بچیوں کو پاس ٹھلاتی  
 بڑی شفقت سے مسنونہ دعائیں نکو سکھلاتی  
 بڑے اخلاق سے اخلاق کی تعلیم فرماتی  
 ادب، تمکیز، تہذیب و تمدن ان کو سمجھاتی

وہ ان کو روزمرہ کے مسائل کا سبق دیتیں

رذائل دور فرماتیں، فضائل کا سبق دیتیں

اصغر دور سے آتے تو ان کو دیکھنے جاتیں  
 بڑی دل جوئیاں کرتیں، تو واضح خوفے جاتیں  
 پھر ان پر اپنی شیریں گفتگو کے پھول برساتیں  
 نہایت دل نشیں انداز میں نکلتے وہ سمجھ جاتیں

کہ دل میں اس طرح محبوبیت حق کی اتر جاتی

ہمیشہ کے لئے حقانیت گھر دل میں کر جاتی

کبھی بی بی سکھاتی تھیں سلیقے گھر چلانے کے  
 کبھی سینے پر ونے کے کبھی کھانے پکانے کے  
 بتائیں ڈھب کبھی اولاد کو مومن بنانے کے  
 کیا کرتی تھیں باطل نطق سے افسوں زمانے کے

جو ہوتی موجزن دل میں معارف کی فراوانی

تو ہو جاتے تھے ثبت اور اق پر نجات ایمانی

مہر شوقِ نقا سے مست ہو کر و سخن ان کا  
عموماً کاروبار شاعری ہے ایک فن ان کا

راہگ انسر ہیں یہ فن نہیں ہے مطلقاً ان کا  
مگر ہوتا ہے جب ہوش تکلم موجب ان کا

معارف کا دل صافی سے فوارہ ابلتا ہے

تو پھر ملفوظ موزوں شعر تر بن کر نکلتا ہے

میں ہوتے وہ شاعر شعر ہوتا ہے قلام انکا  
سر رانگیز و رقت خیز ہوتا ہے کلام ان کا

ی مے کش ہے جو بڑھ کر اٹھالے ایک جام ان کا  
وہی ہے عارف میخانہ جو سمجھے مقام ان کا

سر اپا زندگی وہ ہیں کہ دن ان کا ہے رات انکی

کہ وہ اللہ کے ہیں، اور ساری کائنات ان کی

عار و ذکر یا تعلیم و تلقین تھا کلام ان کا  
رضا جوئی تقرب خواہی مولیٰ تھا کام ان کا

مراپا خیر تھیں خیر النساء موزوں تھا نام انکا  
ہو میں جنت نشین اعلیٰ و ارفع ہے مقام ان کا

نہیں ہے یادگار واقعی، خالی مکاں ان کی

کریں اے کاش سچی جان نشینی بیٹیاں ان کی

رے در سے تر اسائل کبھی خالی نہیں جاتا  
نہیں، اطراف طلب سے کم کوئی طالب نہیں پاتا

میں، ذوق طلب کبھی خود ہے وہ تخلیق فرماتا  
عطا کرتا ہے وہ جو وہم انسان میں نہیں آتا

علیٰ کو قرب خاص انخاص اپنا مرحمت کرے

تمنا سے زیادہ ان کو عالی مرتبت کرے

چلے جاتے تھے ان کے پاس اپنا مدعا لے کر چلے آتے تھے خوش مطمئن ان کی دعا لے کر

وہ رکھ دیتی تھیں سر پر ہاتھ جب نام خدا لے کر تو اٹھتے تھے سکینہ کی متاع بے بہا لے کر

کہاں جائیں گے ہم جب کوئی مشکل پیش آئے گی

کہ اب کون باندھے گا جو منزل پیش آئے گی

دعا ذوق نازل ہے دعا اظہار حاجت ہے دعا اللہ کی نصرت، دعا بندے کی طاقت ہے

دعا ردِ بلا، ردِ قضاء، مفتاحِ رحمت ہے دعا جانِ اطاعت ہے دعا مغزِ عبادت ہے

زہے بندہ جسے آجائے مولیٰ سے دعا کرنا

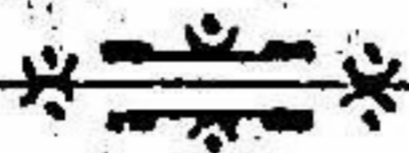
جسے آجائے خود ابوابِ رحمت بڑھکے واکرنا

بس اب تو بھی اٹھا بہر دعا دستِ دعا اپنا کہ ہے صوفی دعا کرنا پیلے مدعا اپنا

ولہ کو خدا بخشے مقامِ اصطفیٰ اپنا سبھی پیمانہ گان پر فضل فرمائے خدا اپنا

مرے دامن کو بھی گل ہائے رحمت سے خدا بھرے

مرادیں صوفی محتاج کی پوری خدا کر دے



# ذکر خیر

بے

سیدہ خیر النساء صاحبہ بہتر مرحومہ (بنت حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ) کے حالات زندگی، ان کی تعلیمی و تربیتی خصوصیات، ذکر و عبادت، دعا و مناجات کے شوق و انہماک کے واقعات، جو عورتوں، مردوں، بلیوں اور بچیوں کے لئے یکساں مفید اور سبق آموز ہیں۔

ہر تہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ناشر، فضل رتی ٹراوی فون: 611817  
مجلس نشریات اسلام  
ناظم آباد مینشن  
کراچی ۱۸